بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال اللہ تعالیٰ

یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ

حَقِیْقَۃُ الْعِلْم

جوکہ رسالہ مبارکہ "فضل علم السلف علی الخلف" کا ترجمہ و تلخیص ہے۔
آخر میں واقعات کی روشنی میں ایک ضروری مشورہ بھی ہے جو کہ وقت کا تقاضہ ہے!

تالیف :- حضرۃ امام حافظ ابن رجب حنبلی رحمۃ اللہ علیہ م سنہ ۷۹۰ھ

ترجمہ و تلخیص :- مخدوم العلماء حضرۃ اقدس صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی مدظلہ العالی

خلیفۂ راشد

قطب الاقطاب حضرۃ اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر :- مکتبۂ مجد[illegible] پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حَقیقتُ العلمْ

تالیف: حَضرۃ امام حَافِظ ابنِ رجبؒ حَنبلیؒ

ترجمہ و تلخیص

مخدومُ العلماء حَضرِۃ اقدس صُوفی

مُحمّد اقبَال صَاحب مُہاجر مدنی مدّظلہٗ العالیٰ

خَلیفَہ ارْشدْ

قُطب الاقطاب حَضرِۃ اقدس شیخ الحَدیث

مُولانا مُحمّد ذکریّا صَاحب مُہاجر مَدنی مدّ ظلہٗ العالیٰ

معاونت خصوصی برائے ترتیب و کمپوزنگ

حضرت جناب آفتاب احمد (مدینہ منورہ)

ترتیب و کمپوٹر کمپوزنگ: محمد نور باری

مکتبہ اقبالیہ

نور حراء پبلیشرز

ای میل: noorbari786@gmail.com فون: 0092-312-2502281

۲۱ ذالحجہ ۱۴۴۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

فہرست مضامین "حقیقت العلم"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۱	مقدمہ	۳
۲	علم کی قسمیں	۶
۳	علم نافع سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کا ذکر کلام اللہ میں	۷
۴	علم غیر نافع کا ذکر قرآن پاک میں	۸
۵	علم نافع کے سوال اور علم غیر نافع سے پناہ مانگنے کی اہمیت	۸
۶	بعض جدید علوم والوں کے دعوے	۱۰
۷	مسئلہ تقدیر میں بحث کی ممانعت کے اسباب	۱۱
۸	اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں لب کشائی کا انجام	۱۱
۹	ذات و صفات کے مسئلہ میں کلام کرنیوالوں کے مذاہب	۱۱
۱۰	جھگڑے اور مقابلہ بازی کی مذمت	۱۲
۱۱	سلف کا طریق کار علوم نافعہ بیان کرنے میں	۱۳
۱۲	عمدہ کلام وہ ہے جو مختصر اور جامع ہو	۱۵
۱۳	اعلیٰ اور افضل علوم کا بیان	۱۶
۱۴	ان علوم سے استفادہ کا طریقہ	۱۶
۱۵	تمام خرابی کی جڑ فلسفہ ہے	۱۸
۱۶	باطنی علوم میں رائے زنی اور افراط و تفریط پر اظہار افسوس	۱۸
۱۷	علوم نافعہ سے استفادہ کا طریقہ	۲۰
۱۸	علوم نافعہ سے مستفیض شخص کا حال	۲۰
۱۹	علم نافع کی خوبیاں اور منافع	۲۰
۲۰	علم غیر نافع کی پہچان	۲۴
۲۰	علم نافع کی علامت و نشانی	
۲۱	سلف صالحین کے مقام و مرتبہ کا بیان	۲۹
۲۲	فصل	۳۱
۲۳	حقائق از اکمال الشیم	۳۳
۲۴	المستشار موتمن	۳۴
۲۵	حالات حضرت مولف رحمۃ اللہ علیہ	۳۹
۲۶	حالات حضرت مترجم مدظلہ	۴۰

(مقدمہ)

" العلماء ورثۃ الانبیاء "

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ما بعد۔ قال اللہ تبارک و تعالی: شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملئکۃ واو لو العلم قائماً بالقسط۔

وقال تعالی: یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین او تو االعلم درجات

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عام مومنین اور علماء کے درمیان سات سو درجہ کا فرق ہے جن میں سے ہر درجہ کے مابین پانچ سو سال کی مسافت کی دوری ہے۔

علم دین کے فضائل میں اور بھی آیات و احادیث وارد ہوئی ہیں جو علماء نے بیان فرمائی ہیں۔ جن حضرات کی خدمت میں رسالہ پیش ہے ان کے لئے سب کا ذکر طوالت کا باعث ہوگا۔ صرف عنوان کی حدیث پاک العلماء ورثۃ الانبیاء کی طرف اشارہ کافی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ نبوت سے اوپر کوئی درجہ کوئی رتبہ نہیں اور اسی لحاظ سے انبیاء کا وارث ہو جانا ایک ایسی فضیلت ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اور ایسا مرتبہ ہے جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا (ماخوذ از احیاء علوم الدین)۔ علماء ربانیین کا مرتبہ بڑے بڑے مخلص عابدوں کے مقابلہ میں ایسا ہے جیسے ستاروں کے سامنے چودھویں رات کا چمکتا ہوا چاند۔ اسی فرق کو احادیث شریفہ میں دیگر مثالوں سے بھی واضح کیا گیا ہے۔

بہر حال یہاں ہمارا مقصد اس بات کو ظاہر کرنا ہے کہ ہر مخلص عابد کو عبادت کی صحیح ادائیگی کے لئے بھی کچھ علم کی ضرورت ہوتی ہے (جیسا کہ ستاروں میں بھی کچھ نہ کچھ روشنی ضرور ہوتی ہے اگرچہ چاند کے مقابلہ میں بہت کم ہو)، اسی طرح مختصرا اور اجمالی طور پر عقائد حقہ کا جاننا نیز عبادات کے طریقوں کا علم اور صفائی معاملات، حلال و حرام کا علم ان مخلص عابدوں کے لئے بھی ایک ضروری امر ہے۔ اسی طرح ایک عام مسلمان کے لئے بھی ان باتوں کا جاننا ضروری ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: طلبُ العلم فریضۃ علی کلِ مُسلم۔ علامہ شامی رحمہ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ آدمی کے لئے اسلام کے پانچوں ارکان کا (اصول دین سیکھنے کے بعد وضو، غسل، نماز، روزہ کے احکام، مالدار پر زکوۃ اور صاحب حیثیت پر حج کے احکام کا) سیکھنا ضروری ہے اور اخلاص کا سیکھنا بھی ضروری ہے کہ اعمال کی صحت اس پر موقوف ہے اور حلال و

حرام کا جاننا بھی ضروری ہے اور ریا کاری کی حقیقت کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے ' اسلئے کہ آدمی ریاکاری کی وجہ سے اپنے اعمال کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ نیز حسد اور خود بنی کا علم بھی حاصل کرنا ضروری ہے ' اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں نیک اعمال کو اس طرح کھالیتی ہیں جیسا آگ ایندھن کو کھاتی ہے۔ اور خرید و فروخت ' نکاح و طلاق کے مسائل جاننا بھی اس شخص کے لئے ضروری ہے جس کو ان چیزوں سے سابقہ پڑتا ہو۔ نیز ایسے الفاظ کا معلوم کرنا بھی ضروری ہے جن کا استعمال حرام یا کفر تک پہنچا دینے والا ہے ۔ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں اس چیز کا سیکھنا بہت ہی مہتم بالشان ہے (خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہے) اس لئے کہ عوام کفریہ الفاظ زبان سے نکال دیتے ہیں اور ان کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا کہہ دیا۔

یہ علم اصطلاح میں " فرض عین " کہلاتا ہے۔ اس علم کے حصول کے لئے نہ تو باقاعدہ کسی مدرسہ میں داخلہ کی ضرورت ہے اور نہ ہی اپنا پورا وقت فارغ کرکے لگنے کی ضرورت ہے ' بلکہ ایک امی اور ان پڑھ آدمی علماء کی صحبت سے زبانی بھی اتنا علم حاصل کر سکتا ہے اور کچھ پڑھے لکھے کے لئے تو یہ نہایت ہی آسان ہے۔ کسی بھی عالم سے مختصر وقت میں "تعلیم الاسلام " اور اس کے بعد " بہشتی زیور" جیسی کتاب پڑھ لے تو فرض علم اسے حاصل ہو جائے گا۔ ایسی کتابیں جن سے فرض علم حاصل ہو جائے عربی ' اردو ' ہندی 'انگریزی ' غرض ہر زبان میں موجود ہیں اور متداول ہیں۔ اس قدر علم پر عمل کر کے آدمی اللہ تعالٰی کا مقرب اور صالحین کا درجہ حاصل کر سکتا ہے مگر اس قدر پر اکتفا کرنے والے کو اصطلاح میں عالم دین نہیں کہا جاتا ' نہ اس کے وہ فضائل ہیں جو عالم دین کے لئے وارد ہوئے ہیں ' بلکہ ان فضیلتوں کا حاصل کرنے والا عالم دین وہ ہے جو اس فرض علم کی جزئیات و تفصیلات اور دلائل و نصوص پر حاوی ہو اور ایسے مسئلوں کا جواب دے سکے جو نادرالوقوع ہوں اور کبھی کبھی پیش آتے ہوں اور جو مسلمانوں میں بلکہ غیر مسلموں میں بھی بصیرت کے ساتھ تحریرا و تقریرا دین کے پھیلانے اور اسے فروغ دینے کی بالفعل و بالقوہ صلاحیت رکھتا ہو ' جسے علوم ظاہرہ و باطنہ دونوں میں کمال حاصل ہو اور بصیرت و معرفت کے ساتھ خود بھی عمل کرتا ہو اور عبادت کرتا ہو اور دوسرے کو قول و فعل سے اسی طرح عبادت کی دعوت دیتا ہو۔ ایسا عالم اصطلاح میں عالم دین کہلاتا ہے اور اس قدر علم حاصل کرنا فرض کفایہ ہے اور مذکورہ بالا فضیلتیں اسی علم کی ہیں لیکن ایسا علم ہر شخص پر فرض نہیں۔ اگر کسی علاقہ کے صرف اتنے آدمی اس بڑی فضیلت والے علم کو حاصل کرلیں جن سے عام مومنین کی عملی ضرورت پوری ہو جائے تو اس علاقہ کے لئے

وہ کافی ہے۔ علم کا یہ درجہ فرض کفایہ کہلاتا ہے اور فرض عین ضروری علم کے سلسلہ اور بقاء کا مدار بھی اسی قدر علم والے علماء کے ساتھ وابستہ ہے۔

افسوس ہے کہ آج کل سند یافتہ ' پورا عالم کہلانے والوں کی اکثریت کو فرض عین والے درجہ کا علم بھی نہیں ہوتا جس کی وجہ ان کا غیر ضروری علوم میں مشغولی اور علم کے حقوق اور تقاضوں کو پورا نہ کرنا ہے۔

اس رسالہ کا موضوع و مقصود فرض کفایہ کے درجہ والے علم اور عالم کے متعلق ہے اور اس رسالہ میں اسی درجہ کے علم کی اقسام اور ان کا ایسا تعارف ہے جس پر تمام ائمہ علم کا اتفاق ہے جس کو احیاء العلوم ' وغیرہ کتب میں علماء نے تفصیل سے لکھا ہے اور ایک مختصر رسالہ " تعلیم المتعلم " بھی اس سلسلہ میں بہت عمدہ ہے۔ پیش خدمت رسالہ اگرچہ مختصر ہے مگر اس میں کتاب و سنت کے ایسے واضح نصوص بطور دلائل ذکر کئے ہیں کہ مزید لکھنے کی ضرورت نہیں۔ لہٰذا اس درجہ کے علم کے شائقین طلباء اور ان کے والدین ' سرپرستان وغیرہ کی خدمت میں عرض ہے کہ اس رسالہ کو تنہائی میں بیٹھ کر غور سے مطالعہ کریں تاکہ اس عظیم کام کے شروع کرنے سے پہلے اپنی نیت ' مقصد اور موضوع ' اس کے نتائج ' نفع و نقصان کو سامنے رکھتے ہوئے کام شروع کریں اور جو طرز عمل اس کے خلاف پڑتا ہو ' اس کو چھوڑ کر اپنے کو نقصان سے بچائیں اور خَسِرَ الدُّنیا وَالآخِرۃ کا مصداق نہ بنیں۔ یعنی اس عظیم الشان درجہ اور علم کے عالی مقام کے جو لوازمات اور تقاضے ہیں ' ان کو پورا کر سکیں تو اس کو اختیار کریں ورنہ بقدر فرض پر ہی اکتفا کرنا اچھا ہے کیونکہ علوم غیر نافع تو مضر ہیں ہی ' اگر صحیح علوم کے حقوق اور اس کے لائق صفات کو اختیار نہ کیا گیا ' تو ان علوم کا حامل بھی علمائے سوء میں داخل ہو جائے گا جن کے بارے میں بہت سخت وعیدیں اور مذمتیں وارد ہوئی ہیں حتی کہ جہنم میں سب سے پہلے داخل ہونے والا طبقہ بھی یہی ہو گا۔

رسالہ کے اختتام پر اپنی ساری عمر کے مشاہدے ' تجربے اور واقعات کی روشنی میں ایک مشورہ تحریر کیا ہے جو کہ رسالہ کو غور سے پڑھنے کے بعد ہی سمجھ میں آسکتا ہے۔ بندہ کے دوستوں ' بزرگوں کی جس کی سمجھ میں آئے وہ عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ توفیق دینے والے ہیں۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی من بعثہ اللہ رحمۃ للعالمین

محمد اقبال ۔ مدینہ منورہ

۷ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین و صلے اللہ علےٰ محمد و آلہ وصحبہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیرا

اما بعد: یہ چند باتیں علم کے معنی و مفہوم سے متعلق ہیں کہ علم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) علم نافع (۲) علم غیر نافع (۳) علم مذموم

نیز اس بات پر بھی تنبیہہ مقصود ہے کہ سلف (گزشتہ علماء امت و بزرگان دین) کا علم بعد والوں کے علم سے افضل و برتر ہے۔

اللہ کا نام لے کر شروع کرتا ہوں کیونکہ برائی سے بچنا اور نیکی کرنا یہ اللہ ہی کی توفیق پر موقوف ہے۔

آمدم بر سر مطلب: اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں "علم" کو کبھی معرض تعریف میں ذکر فرمایا، وہی علم نافع ہے اور کبھی مذمت کے طور پر ذکر فرمایا اور یہ وہ علم ہے جو نفع بخش نہیں ہوتا۔

علم نافع کا ذکر قرآن پاک میں

۱۔ قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون (الزمر: ایت ۹) " آپ کہئے: کیا علم والے اور جہل والے کہیں برابر ہوتے ہیں۔ "

۲۔ شهد الله انه لا اله الاهو والملائكة واو لوا العلم قائماً بالقسط (ال عمران: ایت ۱۸) " گواہی دی اللہ تعالیٰ نے اسکی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی اور اہل علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں۔ "

۳۔ وقل رب زدنی علما (طٰہٰ: ۱۱۴) " یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب! میرا علم بڑھا دیجئے۔

۴۔ انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلماء "خدا سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو (اس کی عظمت کا) علم رکھتے ہیں۔"

۵۔ ابوالبشر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے تذکرہ میں اور انہیں تمام اشیاء کے نام کا علم دینے کے بعد فرشتوں پر ان چیزوں کو پیش کرنے کے ضمن میں فرشتوں کا مقولہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے: سبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم (البقرہ: ۳۲)" آپ تو پاک ہیں۔ ہم کو کوئی علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہم کو دیا۔ بے شک آپ بڑے علم والے ہیں حکمت والے ہیں۔ "

۶۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ان کا حضرت خضر علیہ السلام سے یہ کہنا نقل فرمایا ہے :هل اتبعک علی ان تعلمن مما علمت رشدا (الکهف :۶۶)" میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں اس شرط سے کہ جو علم مفید آپ کو منجانب اللہ سکھلایا گیا ہے ' اس میں سے آپ مجھ کو بھی سکھلا دیں۔ "
پس یہ ہے علم نافع۔

علم نافع سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کا ذکر کلام اللہ میں

اللہ تعالیٰ نے ایسی قوم کا انجام بیان فرمایا ہے جسے علم عطا ہوا مگر اس علم نے (بد عملی کے سبب) انہیں کچھ فائدہ نہ دیا۔ یہ علم نافع تھا مگر اس قوم نے فائدہ نہیں اٹھایا۔

۱۔ ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے :مثل الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوها کمثل الحمار یحمل اسفارا (الجمعہ: ۵)" جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا ' پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ' ان کی حالت اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہوئے ہو۔ "

۲۔ واتل علیهم نبا الذی اتینه ایاتنا فانسلخ منها فاتبعه الشیطن فکان من الغاوین ہ ولو شئنا لرفعناه بها ولکنه اخلد الی الارض واتبع هواه (الاعراف :۱۷۵-۱۷۶)" ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنائیے کہ اس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں ' پھر وہ ان سے بالکل ہی نکل گیا پھر شیطان اس کے پیچھے لگ گیا ' سو وہ گمراہ لوگوں میں داخل ہو گیا اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیتوں کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے لیکن وہ تو دنیا کی طرف مائل ہو گیا اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی کرنے لگا۔ "

۳۔ فخلف من بعدهم خلف ورثوا الکتاب یاخذون عرض هذا الادنی و یقولون سیغفر لنا وان یاتهم عرض مثله یاخذوه الم یوخذ علیهم میثاق الکتاب ان لا یقولوا علی الله الا الحق و درسوا ما فیه والدار الاخرة خیر للذین یتقون (الاعراف: ۱۶۹)" پھر ان کے بعد ایسے لوگ ان کے جانشین ہوئے کہ کتاب کو ان سے حاصل کیا۔ اس سے دنیائے دنی کا مال و متاع لے لیتے ہیں اور اس گناہ کو حقیر سمجھ کر کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت ہو جائے گی حالانکہ اگر ان کے پاس پھر ویسا ہی مال و متاع دین فروشی کے عوض آنے لگے تو اس کو لے لیتے ہیں۔ کیا ان سے اس کتاب کے اس مضمون کا عہد نہیں لیا گیا کہ خدا کی طرف بجز حق بات کے اور کسی بات کی نسبت نہ کریں اور انہوں نے اس کتاب میں جو کچھ تھا اس کو پڑھ بھی لیا اور آخرت والا گھر ان لوگوں کے لئے اس دنیا سے بہتر ہے جو ان عقائد قبیحہ سے پرہیز رکھتے

ہیں۔

۴۔ وا ضلہ اللہ علی علم (الجاثیہ: ۲۳)" اور خدا تعالیٰ نے اس کو باوجود سمجھ بوجھ کے گمراہ کر دیا" بعض مفسرین کے نزدیک مطلب یہ کہ "وہ بدبخت علم رکھنے کے باوجود اور سمجھ بوجھنے کے بعد گمراہ ہوا۔"

علم غیر نافع کا ذکر قرآن پاک میں

اور وہ علم جسے اللہ تعالیٰ نے مذمت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے:

۱۔ فلما جاءتهم رسلهم بالبينات فرحوا بما عندهم من العلم و حاق بهم ما كانوا به يستهزئون (غافر: ۸۳)" غرض جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی دلیلیں لے کر آئے تو وہ لوگ اپنے علم معاش پر بڑے نازاں ہوئے جو ان کو حاصل تھا اور ان پر وہ عذاب آپڑا جس کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔"

۲۔ يعلمون ظاهراً من الحيوة الدنيا و هم عن الآخرة هم غفلون ○ (الروم: ۷)" یہ لوگ صرف دنیوی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں اور یہ لوگ آخرت سے بے خبر ہیں (یعنی یہ لوگ دنیوی زندگی کی ظاہری سطح یہاں کی آسائش و آرائش 'کھانا پینا' اوڑھنا 'بونا' جوتنا' پیسہ کمانا 'مزے اڑانا پس یہی ان کے علم و تحقیق کی انتہائی جولان گاہ ہے۔"

علم نافع کے سوال اور علم غیر نافع سے پناہ مانگنے کی اہمیت

اور اسی لئے احادیث شریفہ میں بھی علم کی دو قسمیں بیان ہوئی ہیں: علم نافع اور علم غیر نافع۔ اول کے سوال کا ذکر ہے اور دوم سے پناہ چاہی گئی ہے۔

مسلم شریف میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اَللّٰھم اِنی اعوذ بک مِن عِلْم لا ینفع و من قلب لا یخشع و من نفس لا تشبع و من دعوة لا یستجاب لھا" اے اللہ! میں تجھ سے پناہ چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو اور ایسے دل ، جس میں خشوع نہ ہو اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو۔" اور نسائی شریف میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرماتے تھے: اَللّٰھم اِنی اَسْئَلک عِلْمًا نَافِعًا و اعوذ بک من علم لا ینفع" اے اللہ! میں تجھ سے ایسا علم مانگتا ہوں جو نفع پہنچانے والا ہو اور تیری حفاظت چاہتا ہوں ایسے علم سے جو نقصان پہنچانے والا ہو۔" سنن ابن ماجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد منقول ہے: سَلُوا اللّٰہ عِلْمًا نافعا و تَعَوَّذُوا بِاللّٰہِ مِن عِلْمٍ لا ینفع"

اللہ سے علم نافع مانگا کرو اور علم غیر نافع سے پناہ مانگا کرو۔ "

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا منقول ہے: اللهم انفعني بما علمتني و علمني بما ينفعني " اے اللہ! مجھے اس علم سے نفع پہنچائیے جو آپ نے عطا فرمایا اور مجھے وہی علم عطا فرما جو مجھے نفع پہنچائے اور مجھے مزید علم نصیب فرما۔ " اور نسائی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا منقول کی ہے: اللهم انفعني بما علمتني وعلمني ما ينفعني وارزقني علما تنفعني به " اے اللہ! مجھے اس علم سے فیضیاب فرما جو آپ نے مجھے مرحمت فرمایا اور مجھے وہی علم نصیب فرما جو مجھے فائدہ بخشے اور مزید مجھے علم نافع سے بہرآور فرما۔ " اور ابو نعیم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے: اے اللہ! ہم تجھ سے ہمیشہ رہنے والا ایمان مانگتے ہیں۔ کیونکہ بعض ایمان ایسا بھی ہوتا ہے جو ہمیشہ نہ رہے اور تجھ سے نفع بخش علم مانگتے ہیں کیونکہ بعض علم ایسا بھی ہوتا ہے جو نفع بخش نہ ہو۔ " اور ابو داؤد نے حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " بعض بول جادو ہوتے ہیں اور بعض علم جہالت ہوتے ہیں۔ " حضرت معصعہ نے اس قول کہ بعض علم جہالت ہوتا ہے کی تشریح یہ فرمائی کہ " عالم بہ تکلف اپنے علم میں ایسی چیزیں بڑھائے جو اسے معلوم نہیں تو وہ علم پھر علم نہیں رہتا' جہالت بن جاتا ہے۔ اور اس کا مطلب یوں بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو علم نقصان دے اور نفع نہ پہنچائے تو وہ جہالت ہے۔ چونکہ ایسے علم کا نہ جاننا اس کے جاننے سے بہتر ہے' تو جب اس کا نہ جاننا اس سے بہتر ہے تو یہ جہالت سے بھی بدتر ہوا۔

اور اسی طرح علم حساب کہ تقسیم فرائض و امور وراثت و وصیت و تقسیم اموال میں حساب کتاب کرنے کی حد تک تو ٹھیک ہے اور اس سے زائد تو بس دماغی ورزش اور تفریح خاطر کے کام آتا ہے جس سے کوئی فائدہ نہیں' بلکہ دینی لحاظ سے نقصان وہ ہی ہے کہ اس کی وجہ سے اہم علوم سے آدمی مشغول ہو جاتا ہے (یعنی اہم علوم کے لئے وقت نہیں ملتا۔)

فہرست مضامین

بعض جدید علوم والوں کے دعوے

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد جو نئے نئے علوم معرض ظہور پر آئے اور ان کے موجد اور مؤیدین نے اس کا شغل اختیار کرکے اسے علم قرار دیا اور ان نو ایجاد و خود ساختہ علوم سے ناواقف کو بزعم خود جاہل و گمراہ ٹھہرانے لگے ' یہ سب بدعات ہیں اور یہ وہ گمراہی ہے جس سے احادیث شریفہ میں ممانعت وارد ہوئی ہے اور ان جیسی نو ایجاد باتوں سے کنارہ کشی اور اپنا دامن پاک رکھنے کی تاکید آئی ہے ۔ مثلاً معتزلہ کا مسئلہ تقدیر میں کلام کرنا اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں مثالیں قائم کرکے اس کی ذات و صفات میں گفتگو کرنا ' حالانکہ تقدیر میں غور و خوض کرنے کی صراحتاً ممانعت وارد ہوئی ہے ۔ جیسے علامہ ابن حبان اور امام حاکم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے حضور ﷺ کا ارشاد پاک نقل فرمایا ہے کہ اس امت کا معاملہ اس وقت تک ٹھیک ٹھاک رہے گا جب تک لوگ وِلدان (کفار کے نابالغ بچوں) اور تقدیر کے بارے میں کلام (بحث) نہ کرنے لگیں ۔ نیز امام بیہقی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً نقل کیا ہے :

" جب ہمارے صحابہ کا تذکرہ آئے تو سکوت کر لیا کرو اور اسی طرح جب علم نجوم کی بات چھڑے ' تب بھی خاموش ہو جایا کرو ۔ "

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے میمون بن مہران سے فرمایا خبردار ' علم نجوم میں مت پڑنا کیونکہ اس میں لگنا کہانت کی طرف لے جاتا ہے (جو کفر ہے) ۔

اسی طرح تقدیر میں بھی مت پڑنا کہ وہ زندقہ (بد دینی) کی طرف لے جاتا ہے ۔

نیز اصحاب رسول ﷺ میں سے کسی کو برا بھلا مت کہنا ورنہ اللہ تعالیٰ تمہیں اوندھے منہ جہنم میں ڈال دیں گے ۔

مسئلہ تقدیر میں بحث و مباحثہ ' تحقیق و جستجو کی ممانعت کے اسباب

تقدیر میں پڑنے کی ممانعت کے چند اسباب ہیں :۔

١۔ قرآن پاک کی آیتوں میں (ظاہراً) تعارض ہوتا ہے ' اس طرح پر کہ تقدیر کو ثابت کرنے والا ایک آیت استدلال میں پیش کرے گا اور اس کا مقابل ' دوسری آیت لائے گا اور جھگڑا شروع ہو جائے گا ۔ ایسا واقعہ عہد نبوی میں بھی ایک بار پیش آچکا ہے جس پر آنحضور ﷺ نے سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اور تقدیر کے بارے میں بحث و مباحثہ

سے سخت منع فرمایا۔

اور مسئلہ تقدیر میں الجھنا قرآن پاک میں اختلاف (تحریف و ردو بدل) کرنے اور اس میں جھگڑا کرنے کے مرادف ہے جس کی ممانعت مستقل آئی ہے۔

۲۔ تقدیر کے مسئلہ کو ثابت کرنے یا نفی کرنے کے لئے عقل و قیاس کی مدد سے باریکیاں تلاش کرنا ' جیسے فرقہ قدریہ کا کہنا ہے: اگر مقدر میں لکھ دیا تھا اور فیصلہ ہو چکا اس کے بعد پھر عذاب دیا تو یہ ظلم ہوا (نعوذ باللہ) اور ان کے مخالفین (جبریہ) کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو افعال پر مجبور کر رکھا ہے (لہٰذا اللہ تعالیٰ پر نیکی کرنے والوں کو جنت دینا اور گناہ کرنے والوں کو عذاب دینا واجب ہے) تعالی اللہ عن ذلک۔

تقدیر کے اسرار اور اس کی حقیقت و اصلیت کی تلاش و جستجو میں پڑنے کی بھی ممانعت حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سلف صحابہ سے منقول ہے 'کیونکہ بندگان خدا کی رسائی اس کی حقیقت تک ہو ہی نہیں سکتی۔

اللہ تعالیٰ کی ذات اور اسماء و صفات میں لب کشائی کا انجام

اور نو ایجاد امور میں سے یہ بھی ہے کہ معتزلہ اور ان کے پیروکاروں کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں عقلی دلائل کی روشنی میں قیاس اور رائے زنی کرنا اور یہ مسئلہ تو تقدیر میں لب کشائی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ چونکہ تقدیر میں کلام کرنا گویا باری تعالیٰ کے افعال میں کلام کرنا ہے اور یہ بعینہٖ ذات و صفات میں کلام کرنا ہوا

ذات و صفات کے مسئلہ میں کلام کرنے والوں کے مذاہب

متکلمین کی دو قسمیں ہیں:۔

(۱) قرآن و سنت کی بہت سی باتوں کو ماننے سے انکار کرنے والے ' جیسے معتزلہ اور جہمیہ رؤیت باری تعالیٰ ' کلام الٰہی ' استواء علی العرش وغیرہ امور کا انکار کرتے ہیں۔ قیاس و استنباط کا یہ طریقہ اور یہ نیا انداز اصل میں معتزلہ اور جہمیہ کا ایجاد کردہ ہے اور سلف کا اجماع ہے کہ معتزلہ اور جہمیہ دونوں فرقے گمراہ اور بدعتی فرقے ہیں اور بہت سے اہلسنت والجماعت کی طرف منسوب ہونے والوں نے بھی کئی مواقع میں ان کا مسلک اختیار کیا ہے۔

(۲) اپنا نظریہ اور خیالات عقلی دلائل سے پیش کرتے ہیں جس کا کہیں ثبوت نہیں اور ایسے لوگوں کا نظریہ اہل اسلام نے قبول نہیں کیا جیسے مقاتل بن سلیمان اور ان کی متابعت

میں نوح بن ابی مریم اور بہت سے نئے اور پرانے محدثین نے بھی یہ مسلک اختیار کیا ہے۔ یہ "کرامیہ" کا طریقہ ہے اور یہ بھی درست نہیں۔

جھگڑے اور مقابلہ بازی کی مذمت

اور جن امور سے سلف نے منع فرمایا ان میں سے حلال و حرام کے مسائل میں جھگڑا اور مقابلہ بازی بھی ہے۔ یہ اہل اسلام، ائمہ اعلام کا طریقہ نہیں رہا ہے بلکہ ان کے بعد آنے والوں نے آکر اس کا دروازہ کھولا اور بحث مباحثہ کے میدان کو وسیع کیا۔ اس موضوع پر دونوں جانب سے کتابیں تصنیف ہوئیں اور یہ سلسلہ چل پڑا۔ اور یہی ان کا منتہاء علم ہو گیا ہے کہ یہ امور علم نافع سے مانع بن گئے۔ انہی وجوہات کی بنا پر سلف نے یہ طریقہ اختیار کرنے سے ناراضگی اور ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا تھا۔

بلکہ حدیث مرفوع میں منقول ہے:" کوئی قوم بھی جو ہدایت ملنے کے بعد گمراہ ہوئی وہ یہی مقابلہ بازی اور لڑائی جھگڑا کی وجہ ہی سے ہوئی ہے۔ " پھر یہ آیت شریفہ تلاوت فرمائی: ما ضربوہ لک الا جدلا بل ھم قوم خصمون (الزخرف: ۵۸) " ان لوگوں نے جو یہ (مضمون عجیب) آپ سے بیان کیا ہے، تو محض جھگڑے کی غرض سے بلکہ یہ لوگ ہیں ہی جھگڑالو " (کیونکہ اکثر امور حق میں جھگڑے نکالتے رہتے ہیں۔)

بعض سلف سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کے ساتھ خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے لئے عمل کا دروازہ کھول دیتے ہیں اور جدل (جھگڑے) کا دروازہ بند فرما دیتے ہیں اور جس کے ساتھ خیر کا ارادہ نہیں ہوتا اس کے لئے عمل کا دروازہ بند اور جدل کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ حضرت امام مالک رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس شہر (مدینہ منورہ) کے لوگوں (علماء) کو اس طرح پایا کہ وہ آج کل کی طرح سوالات کی کثرت (جو واقع نہیں ہوئے) کو ناپسند فرماتے تھے، اور اسی طرح زیادہ طولانی بحث اور خوب فتوے دینے کو بھی برا سمجھتے تھے اور فرماتے کہ: آج کل تو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں جیسے بدمست اونٹ بڑبڑاتا ہے کہ یہ ایسے اور وہ ایسے ......بکواس کئے چلا جاتا ہے

حضرت امام مالک خود بھی زیادہ سوالات کے جواب کو ناپسند فرماتے اور یہ آیت سناتے و یسالونک عن الروح قل الروح من امر ربی (الاسراء: ۸۵) " یہ لوگ آپ سے روح کو (امتحاناً) پوچھتے ہیں۔ آپ فرما دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے بنی ہے۔ " اور فرماتے کہ اس میں جواب کہاں ہے (اس لئے ضروری نہیں کہ ہر سوال کا جواب دیا جائے۔)

ان سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی کو حدیث کا علم ہے۔ کیا اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ حدیث (منوانے) کے لئے بحث کرے؟ فرمایا کہ نہیں، حدیث بیان کردے اور بس ..... سامع قبول کرلے نبھا ورنہ خاموش ہو جائے اور فرمایا کہ علم میں بحث مباحثہ، جھگڑا یہ علم کا نور ختم کرتا ہے۔ یہ بھی فرمایا کہ یہ دل میں سختی اور کینہ پیدا کرتا ہے اور آپ اکثر سوالات کے جواب میں فرماتے: لا ادری " مجھے اس بارے میں علم نہیں۔ " امام احمد رحمہ اللہ علیہ سے بھی ایسے مواقع میں یہی منقول ہے کہ وہ اکثر " لا ادری " فرما دیتے۔

اور حدیثوں میں زیادہ قیل و قال اور کثرت سوالات اور پیچیدہ مسائل سے منع فرمایا گیا ہے۔ اس بارے میں اور بھی بہت کچھ وارد ہوا ہے جو اختصار کے مد نظر ترک کیا جاتا ہے۔

سلف کا طریقہ کار علوم نافعہ بیان کرنے میں

سلف صالحین ائمہ جیسے امام مالک و شافعی، احمد و اسحاق کے اقوال میں دلیل و ماخذ اور احکام کے مرجع و مصدر کی طرف تنبیہہ ملتی ہے اور قیاس وغیرہ بھی پایا جاتا ہے مگر برائے نام جس سے مقصود حاصل ہو جائے اور بات بھی لمبی نہ ہو۔ ان کے کلام میں سنت کے مخالف اقوال کا رد بھی ہے مگر اشارہ لطیفہ اور بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ جو متکلمین کی لمبی چوڑی عبارتوں سے آدمی کو مستغنی کر دیتی ہے بلکہ بسا اوقات بعد والوں کی لمبی چوڑی عبارت میں وہ وضاحت نہیں ہوتی جو سلف کے مختصر کلام سے ہو جاتی ہے۔ پس جس نے بھی سلف میں سے ان جھگڑوں سے خاموشی اختیار کی، وہ نہ تو کسی جہالت کی بنا پر تھی، نہ ہی کسی کمزوری کی بنا پر تھی بلکہ ان کی خاموشی عمداً خشیت الٰہی اور تقویٰ کی بنا پر تھی اور بعد والوں کی اس میں بحث و تمحیص طولانی تقریروں کا باعث کسی امتیازی علم کا حاصل ہونا نہیں بلکہ یہ تو باتیں بنانے کی محبت اور پرہیزگاری کی کمی کی وجہ سے ہے جیسا کہ حضرت حسن رحمہ اللہ نے کچھ لوگوں کو بحث مباحثہ کرتے دیکھا تو فرمایا کہ ان لوگوں کا دل عبادت سے اچاٹ ہو چکا ہے اور ان کو باتیں بنانا آسان لگنے لگا ہے اور خشیت الٰہی میں کمی ہو گئی ہے اس لئے یہ باتوں میں لگ پڑے ہیں۔

اور مہدی بن میمون نے فرمایا کہ میں نے امام محمد بن سیرین کو یہ فرماتے سنا جبکہ ایک شخص ان سے جھگڑا کرنے لگا تو اس کے خیالات کا اندازہ کر کے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے یہ کیا چاہتا ہے۔ اگر میں جھگڑا کرنا چاہوں تو اس کے سارے ابواب سے واقف ہوں

اور ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں جھگڑے کے طریقوں کا تم سے زیادہ واقف ہوں۔ مگر تم سے جھگڑوں گا نہیں۔

اور ابرہیم نخعی فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی سے جھگڑا نہیں کیا اور حضرت عبدالکریم الحوری فرماتے ہیں کہ کوئی پرہیز گار شخص کبھی جھگڑا نہیں کرتا۔ اور حضرت جعفربن محمد فرماتے ہیں کہ دین میں جھگڑے سے بچو' کیونکہ اس سے دل مشغول ہوتا ہے اور نفاق پیدا ہوتا ہے۔

اور حضرت عمربن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ اگر سنو کہ کہیں جھگڑا ہو رہا ہے تو اس سے اپنے کو باز رکھو اور کنارہ کشی اختیار کرو۔

اور فرمایا کہ " جو اپنے دین کو جھگڑوں کا ہدف بنالے گویا اس نے اپنا بوجھ اور بھاری کر لیا "

نیز فرمایا: پچھلے لوگ علم کے باوجود ٹھہر گئے یعنی مناظروں کے لئے آگے نہیں بڑھے اور علوم میں باوجود گہری تنقیدی نظر رکھنے کے بحث و مباحثہ سے رکے رہے۔ حالانکہ وہ اگر بحث مباحثہ کرنے پر آتے تو ان میں اس کی صلاحیت ہم سے بہت زیادہ تھی اور سلف سے اس طرح کا کلام بہت زیادہ منقول ہے اور بہت سے متاخرین اس فتنہ کی لپیٹ میں آگئے اور یہ خیال کر بیٹھے کہ جس کی تقریریں لمبی ہوں اور مسائل میں خوب ہندی کی چندی کرتا ہو' خوب لے دے کرتا ہو' وہی زبردست عالم ہے اور یہ خالص جہالت اور نادانی ہے۔

اکابر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے علماء کو دیکھئے جیسے حضرت ابوبکر' عمر' علی' معاذ' ابن مسعود اور زید بن ثابت رضوان اللہ علیہم اجمعین کیسے تھے؟ ان کا کلام حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے کلام سے کم ہوتا حالانکہ سب کے سب حضرت ابن عباس سے علم میں زیادہ تھے۔ اسی طرح تابعین کا کلام صحابہ کے کلام سے زیادہ ہوتا حالانکہ صحابہ زیادہ علم والے تھے۔ اسی طرح تبع تابعین کا کلام زیادہ ہوتا حالانکہ تابعین ان سے زیادہ علم والے تھے۔ بس یہ علم روایت کی کثرت لمبی چوڑی تقریروں کا نام نہیں بلکہ یہ تو ایک نور الٰہی ہے جو دل میں ڈالا جاتا ہے۔ اس سے بندے میں حق شناسی اور حق و باطل کے درمیان تمیز کا جوہر پیدا ہوتا ہے اور پھر وہ اسے ہلکی پھلکی زبان میں مختصر عبارت میں بیان کردیتا ہے اور مقصد پورا ہو جاتا ہے۔

عمدہ کلام وہ ہے جو مختصر اور جامع ہو

ہمارے آقا اور مقتدا حضور پاک ﷺ کو بھی جوامع الکلم دیے گئے تھے اور آپ کے لئے کلام کو مختصر کر دیا گیا۔ اسی لئے زیادہ باتیں بنانے اور قیل و قال کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: " اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو صرف مبلغ بنا کر بھیجا ہے اور بات میں بات نکالنا (کج بحثی کرنا) شیطان کی طرف سے ہے یعنی نبی ﷺ اتنے ہی کلام پر اکتفا کرتے جس سے مقصد پورا ہو جاتا تھا۔ رہی لمبی چوڑی تقریر اور زیادہ لے دے، یہ شریعت کی نظر میں کوئی قابل تحسین نہیں۔ اور حضور ﷺ کے خطبے اور مواعظ بھی مختصر ہوا کرتے تھے اور کلام کا انداز یہ ہوتا کہ اگر گننے والا چاہے تو ایک ایک لفظ گنتا چلا جائے۔ نیز حضور پاک ﷺ کا ارشاد پاک ہے: " بعض بول جادو ہوتا ہے۔ " اور یہ ارشاد مذمت کے طور پر ہے، نہ کہ معرض مدح میں، جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کر رکھا ہے۔ جو الفاظ حدیث اور سیاق و سباق کو تامل کی نظر سے دیکھے، اس کو مطلب صاف نظر آئے گا۔ نیز ترمذی وغیرہ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حضور ﷺ سے نقل فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی بلاغت چھانٹنے والے کو ناپسند فرماتے ہیں جو اپنی زبان منہ میں اس طرح گھما کر باتیں کرتا ہے جس طرح گائے جگالی کرتی ہے (یعنی بہ تکلف اپنی زبان کو شیریں بناتا کہ لوگ خوش ہوں) اور اس طرح کی بہت سی حدیثیں اور آثار حضرت علی، عمرو سعد و ابن عباس اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم وغیرہ سے منقول ہیں۔

یہ جاننا ازحد ضروری ہے کہ ہر وہ شخص جسے تقریر کا ملکہ اور علمی بحثوں میں ید طولیٰ حاصل ہو، اسے پہنچا ہوا اور علامہ زمان سمجھ بیٹھنا ناحق شناسی ہے (بلکہ بعض بعض کم گو کم سخن امام زمانہ ہوا کرتے ہیں)۔ ہمیں ایسے نادانوں سے واسطہ پڑ چکا ہے جو متاخرین میں سے بعض لمبی چوڑی تقریریں کرنے اور طولانی بحثیں چھیڑنے والوں کے اتنے زیادہ معتقد ہوگئے کہ انہیں متقدمین پر فوقیت دیتے تھے۔ بعض تو کسی کے اتنے زیادہ معتقد ہوئے کہ انہیں صحابہ، تابعین، سلف صالحین سب پر ترجیح دینے لگے اور کچھ لوگ انہیں کم از کم فقہائے کرام سے بڑھا ہوا تو ضرور ہی خیال کرتے ہیں۔ اس سے وہی لازم آتا ہے جو ماقبل میں گزرا۔ کیونکہ یہ فقہائے عظام اپنے اسلاف و متقدمین سے زیادہ مسائل بیان کرنے والے اور تشریح کرنے والے تھے۔ اگر یہ بات تسلیم کرلی جائے کہ یہ بعد والا اپنی طولانی بحث و تقریر کی وجہ سے ان فقہائے عظام سے افضل اور بڑا علامہ ہے، تو وہ

ان کم کلام والوں سے جیسے امام ثوری 'اوزاعی' لیث ابن مبارک اور ان کے ہم طبقہ اور قبل کے تابعین و صحابہ سے بدرجہ اولیٰ برتر و افضل قرار پائے گا (کیونکہ یہ تمام حضرات بعد والوں کے کلام سے کہیں کم کلام اور بحث فرماتے۔) اور ایسا کرنا سلف صالحین کی بڑی توہین اور ہتک ہے اور ان کے مرتبہ سے ناواقفیت کی دلیل ہے اور انہیں نعوذ باللہ کم علم اور جہالت کی طرف منسوب کرنے کے مراوف ہے۔ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے صحابہ کے متعلق کیا ہی خوب فرمایا ہے: " یہ حضرات امت میں سب سے زیادہ نیک دل، گہرے علم اور کم تکلف والے تھے "۔ اس طرح کی بات حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ان حضرات کے بعد والے ہوتے تو ہیں علم میں کم مگر تکلف سے زیادہ کام لیتے ہیں۔

نیز حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: " تم لوگ ابھی ایسے زمان میں ہو جس میں اہل علم تو زیادہ ہیں مگر تقریر کرنے والے کم ہیں۔ آگے چل کر ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں علماء تو کم ہوں گے' ہاں تقریر کرنے والے خوب ہوا کریں گے۔ " پس جس کا علم زیادہ ہو اور باتیں کم ہوں' وہ قابل مدح اور لائق تعریف ہے اور جو اس کے برعکس ہو' وہ قابل مذمت ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے ایمان کی پختگی اور ان کی فقاہت و سمجھداری کی گواہی خود ہی دی ہے اور اہل یمن خاص طور سے کم سخن' سادہ طبع ہونے کے ساتھ ساتھ وسیع علم والے ہوا کرتے ہیں مگر ان کا علم نافع ان کے قلوب کی گہرائیوں میں ہوتا ہے جسے وہ بقدر ضرورت ہی بیان کرتے ہیں اور یہی وہ خصوصیت ہے جسے فقہ اور سمجھداری سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہی علم نافع کی خصوصیت ہے۔

افضل و اعلیٰ علوم کا بیان

سب سے زیادہ فضیلت والا علم تفسیر و حدیث اور حلال و حرام کے متعلق وہ ہے جو صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سے منقول ہو کر مشہور و مقتدیٰ فقہاء و ائمہ اسلام تک پہنچا ہو (اور پھر معتبر ذرائع سے بعد والوں تک پہنچے۔)

ان علوم سے استفادہ کا طریقہ

پس ان مذکورہ بالا حضرات علماء و اعلام کی باتوں کو سمجھ کر محفوظ کر لینا بہترین علوم میں سے ہے۔ ان حضرات کے بعد جو لمبی اور طولانی بحثوں کا نیا سلسلہ شروع ہوا ہے' ان میں اکثر خیر اور سلامتی نہیں ہوتی۔ الّا یہ کہ وہ ان ہی حضرات کے کسی کلام کی تشریح سے متعلق ہو اور جو بحث ان حضرات کے کلام کے خلاف ہو' وہ اکثر باطل اور بے اصل

ہوتی ہے ورنہ کم از کم بے مصرف تو ضرور ہی ہوتی ہے۔

اور مذکورہ بالا حضرات کا کلام اپنے موضوع پر حاوی اور کافی و وافی ہوتا ہے بلکہ بعض مواقع پر تشریح کچھ زیادہ مل جاتی ہے۔ ان کے بعد آنے والے علماء و اہل علم حضرات کے کلام میں جو بھی حق بات ملے گی' ان متقدمین کے کلام میں مختصر الفاظ اور لطیف انداز میں وہ سب کچھ ضرور ہی ملے گا۔ اور باطل اور ناحق باتوں کے بارے میں جو کلام بعد والوں کے ہاں ملے گا' اس پر بھی اگلوں کے کلام میں تنبیہہ ضرور ملے گی' بشرطیکہ انصاف اور غور و تامل کی نظر سے دیکھا جائے! بلکہ متقدمین کے کلام میں ایسے شاندار معانی اور ایسے دقیق نکتے ملتے ہیں کہ اس پر بعد والوں کی نہ نظر ہوتی ہے' نہ ہی اس تک ان کے ذہن کی رسائی ہو پاتی ہے۔ پس جو شخص ان حضرات کے کلام سے علم نہیں حاصل کر سکا' وہ بڑا ہی محروم ہے۔ بلکہ وہ تو بعد والوں کی پیروی کر کے ان کی بہت سی باطل باتوں میں الجھے بغیر نہیں رہ سکتا اور جو شخص ان حضرات کے کلام کو جمع کرنا چاہتا ہے' اسے صحیح و سقیم کی تمیز اور پہچان نہایت ضروری ہے اور اس کے لئے جرح و تعدیل اور علل کی معرفت ضروری ہے کیونکہ جو ان علوم میں کورا ہوتا ہے' اس کی نقل کا بھروسہ نہیں اور ایسے شخص کے آگے حق و باطل سب گڈمڈ ہو جاتا ہے پھر تنبیہہ' اس کے پاس جو صحیح بھی ہوتا ہے' تو اس کا بھی اعتبار نہیں رہتا۔ ڈھلمل یقین کی سی کیفیت ہوتی ہے' جیساکہ ان علوم سے کم واقفیت رکھنے والوں کا حال ہے کہ وہ جو روایت حضور پاک ﷺ سے بیان کرتے ہیں یا کسی سلف سے بیان کرتے ہیں' حد درجہ بے اعتمادی کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ خود ان کی طبیعت اس کو قبول نہیں کرتی اور یہ سب اسی کا نتیجہ ہوتا ہے کہ انہیں صحیح و سقیم کا فرق سمجھ میں نہیں آتا' ان دونوں کے درمیان تمیز کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ وہ اپنی جہالت اور کم علمی کی بناء پر صحیح کو بھی باطل قرار دیتا چلا جاتا ہے۔

حضرت امام اوزاعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم تو وہی ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنھم لے کر آئے ہیں' اس کے علاوہ کوئی علم نہیں۔ اسی طرح امام احمد رحمہ اللہ نے تابعین کے متعلق فرمایا (مخاطب کے سوال پر کہ) تم مختار ہو ان کے علوم کو لکھو چاہے چھوڑ دو۔ امام زہری رحمہ اللہ علیہ تابعین کے کلام کو ضبط کیا کرتے اور صالح بن کیسان شروع میں ان کی مخالفت کرتے مگر آخر میں افسوس و حسرت کے ساتھ کہا کرتے کہ کاش! میں تابعین کے کلام کو لکھتا رہتا۔

رہا ہمارے زمانے کا معاملہ' تو اس میں یہ بات طے اور مسلّم ہے کہ سلف صالحین

امام شافعی، احمد، اسحٰق ابو عبید وغیرہ کے زمانہ تک کے حضرات کا کلام لکھنا چاہئے، البتہ ان کے بعد والوں سے ہوشیار رہے اور احتیاط سے کام لے کیونکہ ان کے بعد سے اب تک بہت کچھ نئے نئے امور وجود میں آئے اور نئی نئی بحثیں چھڑ گئی ہیں۔ اور ایسے لوگ بھی خاص طور سے وجود میں آئے جو اپنے کو قرآن و سنت کی پیروی کا دعوی کرنے والا کہتے ہیں جیسے ظاہریہ وغیرہ۔ حالانکہ وہی سب سے زیادہ قرآن و حدیث کے مخالف عمل کرنے والے ہیں کیونکہ وہ ائمہ اسلام اور علمائے اعلام کے خلاف اسلاف کو چھوڑ کر اپنی منفرد رائے پر اعتماد کر بیٹھے۔

تمام خرابی کی جڑ فلاسفہ کا کلام ہے

ان سب کے ساتھ فلاسفہ اور متکلمین کی بحثوں میں الجھنا شر ہی شر ہے، خیر کی امید بہت کم ہے۔ کم ہی خوش نصیب ایسے ہیں جو اس دلدل میں گھس کر اس کے مفاسد کی آلودگی اور طوفان و حوادث کی زد سے صحیح سالم بچ نکلنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ علیہ نے تو اتنا تک فرمایا ہے کہ جو بھی اس میں پڑا، وہ جہمیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ نیز امام احمد اور دیگر ائمہ سلف لوگوں کو متکلمین کی صحبت سے بچتے رہنے کی تاکید فرماتے ہیں اگرچہ وہ متکلمین احادیث کی حمایت اور موافقت ہی میں لگے ہوں۔

اس قسم کے نو ایجاد علوم کے دلدادہ اور ان کے موجدین کے بہی خواہ لوگ جو اپنے مخالفین یعنی ان علوم سے کم دلچسپی رکھنے والوں اور ان جھگڑوں سے الگ رہنے والوں کو جو جاہل اور کم علم کے القاب سے نوازتے ہیں اور حشویت اور غیر عارف باللہ اور دین کی صحیح سمجھ سے محروم جو تصور کرتے ہیں، یہ سب شیطانی خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے! آمین!

باطنی علوم میں رائے زنی اور افراط و تفریط پر اظہار افسوس

ان نو ایجاد علوم میں سے: لوگوں کا باطنی علوم میں لب کشائی کرنا بھی داخل ہے کہ معارف و اسرار وغیرہ کے متعلق محض اٹکل اور اپنے ذوق یا کشف پر اعتماد کر کے بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اسے بڑے بڑے علماء اور ائمہ کرام نے ناپسند کیا ہے۔ امام ابو سلیمان رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات کوئی نکتہ مجھ پر کھلتا ہے اور صوفیوں کی واردات میں کوئی وارد مجھ پر ظاہر ہوتا ہے، تو میں اسے اس وقت تک قبول نہیں کرتا جب تک دو عادل گواہوں سے اس کی تصدیق نہ کرا لوں یعنی قرآن و سنت کے مطابق ہوا تو لے لیا ورنہ نہیں۔

جنید بغدادی رحمہ اللہ علیہ کا فرمان ہے: ہمارا یہ علم (تصوف) قرآن و حدیث کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ جو قرآن پڑھا ہوا نہ ہو اور نہ کسی عالم حدیث سے حدیث لکھے ہوئے ہو' اس کی پیروی ہمارے اس علم کے اندر ہرگز جائز نہیں۔

اس تصوف کے معاملہ میں پانی سر سے اونچا ہو چکا۔ بعض لوگ اس میں بے دینی اور منافقانہ باتیں تک داخل کر چکے ہیں اور بعض گستاخ یہ بھی کہتے ہیں کہ اولیائے کرام (نعوذ باللہ) انبیائے کرام سے بھی افضل ہیں۔ کوئی کہتا ہے ان اولیاء کو انبیاء کی ضرورت ہی نہیں۔ بعض تو انبیائے کرام کی لائی ہوئی شریعت کی توہین و تنقیص تک اتر آئے ہیں۔ بعض حلول و اتحاد اور وحدہ الوجود☆ وغیرہ اور اسی قسم کے دیگر امور میں الجھ گئے ہیں جو بنیاد ہیں کفر و فسق اور عصیان کی' جیسے اباحیت کا دعویٰ اور شریعت کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دینا اور بہت سی ایسی باتیں تصوف میں داخل کر دیں جن کا دین سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

بعض اپنے تئیں یہ خیال کرتے ہیں کہ غناء اور رقص وغیرہ سے قلوب میں رقت پیدا ہوتی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ نفس کی ریاضت مقصود ہے اور اس حیلہ سے حرام صورتوں کا عشق اور اسے دیکھنا علاج تصور کرتے ہیں۔

اور بعض اشیاء کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نفس کی سختی (اینٹھن) توڑنے کے لئے اور تواضع پیدا کرنے کے لئے ہے' جیسے شہرت کا لباس (خاص لباس کہ لوگ دیکھتے ہی پہچان لیں کہ فلاں حضرت کے پیروکار ہیں) اور ایسی ہی دیگر باتیں جن کا شریعت میں کوئی وجود نہیں۔

اور بعض اشیاء تو ان میں اللہ کے ذکر سے مانع بن جاتی ہیں اور نماز کے آڑے آجاتی ہیں جیسے گانا بجانا اور ناجائز اشیاء کی طرف نظر کرنا۔ اس کی وجہ سے وہ ان لوگوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے جنہوں نے دین کو کھیل اور مذاق بنا لیا ہے۔

☆ اس مسئلہ کا بیان مسئلہ تصوف کی ضروریات میں سے نہیں۔ عارفین کا اس کے بیان میں اور اس کی تعبیر میں اختلاف ہے۔

دوسرے یہ کہ اس کا حال حاصل ہو جانے کے بعد سمجھ میں آتا ہے۔ اس کے بغیر اس کا بیان گمراہی کا باعث بنتا ہے۔ ہمارے بزرگوں میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ حق ہے لیکن اس کی عجیب خاصیت ہے۔ " بعض را ہادی بعض را مضل۔ اہل کے لئے توحید حقیقی کے حصول اور شرک کی بو کو ختم کرنے والا ہے۔ نا اہل کے لئے گمراہی کا باعث ہے اور اہل تاویل کی تفصیل بھی دقیق اور حالی ہے۔ "

علوم نافعہ سے استفادہ کا طریقہ

ان تمام علوم میں سے علم نافع قرآن و حدیث کے نصوص کا ضبط کرنا '☆ ان کے معانی کو سمجھنا اور اس میں حلال و حرام کے متعلق جو حضرات صحابہ و تابعین اور تبع تابعین کے اقوال و تشریحات مروی ہیں ' ان کا پابند رہنا اسی طرح زہد اور رقائق (قلوب میں رقت پیدا کرنے والی باتیں) اور معارف و نکات اور واردات کے متعلق بھی جو مضامین ہیں ' یہ سب علوم نافعہ ہیں اور اس میں اولین شرط یہ ہے کہ صحیح و سقیم کا لحاظ کرے پھر اس کے معانی و مفہوم سمجھنے کی کوشش کرے اور عاقل کے لئے اتنا ہی کافی ہے اور جو علوم نافعہ میں مشغول ہونے کا خواہش مند ہو ' اس کے لئے یہی شغل کافی ہے۔

علوم نافعہ سے مستفیض شخص کا حال

جس آدمی نے اس حقیقت کو جان لیا اور اپنی نیت کو اللہ پاک کی رضا حاصل کرنے کے لئے خالص کر لیا اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس پر مدد چاہی تو اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مدد فرماتے ہیں اور عنایت و توفیق سے نوازتے ہیں اور سیدھی راہ نصیب فرماتے ہیں نیز علم دین کا فہم اور علم لدنی عطا فرماتے ہیں۔ جب آدمی اس رتبہ کو پہنچ جاتا ہے تو پھر اسے علم کا خاص ثمرہ نصیب ہوتا ہے اور وہ ہے " خشیت الٰہی " جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ اللہ کی خشیت علم کے ثبوت کے لئے کافی ہے اور اللہ تعالیٰ سے بے خوف رہنا جہالت کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔

بعض سلف سے منقول ہے: کثرت روایت کو علم نہیں کہتے بلکہ اللہ کی خشیت کا نام علم ہے۔ بعض سے منقول ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے وہ عالم ہے اور جو اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ جاہل ہے۔ اس معنی میں علماء سلف کے اقوال بہت زیادہ ہیں۔

علم نافع کی خوبیاں اور منافع

خشیت الٰہی پیدا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ علم نافع دو باتوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے:

اول: اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی معرفت اور جن اسمائے حسنیٰ اور صفات عالیہ اور افعال

☆ چونکہ پہلے زمانہ میں حروف بے نقط ہوتے۔ ان کا تعین کر کے تحریر کرنا ضبط کہلاتا ہے۔ اس میں بہ ظاہر رسم الخط اور نحو و صرف کا علم بھی داخل ہے۔ واللہ اعلم

عظیمہ کا وہ مستحق ہے اس پر واقفیت کا وہ ذریعہ بنتا ہے 'جس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی ' خشیت و ہیبت اور تعلق و محبت 'اسی سے آسرا اور امید 'اسی پر بھروسہ اور اعتبار و یقین ' اس کے فیصلہ پر راضی رہنا اور ابتلا کے موقع پر صبر اور سر تسلیم خم ہونے کی کیفیت پیدا ہونا ایک لازمی نتیجہ اور ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔

دوم ان باتوں کا علم ہو جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل ہو اور ان باطل اور نا جائز امور و اعتقادات اور اعمال ظاہرہ و باطنہ کا پتہ چل جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نا پسند فرماتے ہیں اور ناراض و ناخوش ہوتے ہیں۔ اللھم احفظنا منہ۔

اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ انسان اپنے کریم خالق کی رضا و محبت حاصل ہونے والے اعمال کی طرف پورے شوق و ذوق سے لگتا ہے اور ان اعمال سے دور بھاگتا ہے جس میں اپنے کریم مولا کی ادنی سی ناراضگی و ناخوشی کا شائبہ ہو۔

پس علم جب اس طرح عالم کو اپنا ثمرہ دیتا ہے تو اسی کو علم نافع کہا جاتا ہے اور جب علم کا نفع انسان کو حاصل ہوجاتا ہے اور یہ اس کے قلب کی گہرائیوں میں اتر جاتا ہے تو قلب خشیت الٰہی سے بھر جاتا ہے اور خالق ذوالجلال کی ہیبت اور عظمت و محبت کے سامنے اس کا نفس عاجزی اور فروتنی اختیار کرتا ہے 'اور جب قلب میں خشیت الٰہی اور عاجزی و انکساری جیسی صفت پیدا ہو جائے تو انسان کا نفس تھوڑی سی دنیا یعنی رزق حلال پر قناعت کرلیتا ہے اور اسی سے سیری اور آسودگی حاصل ہو جاتی ہے اور اس کے نتیجہ میں قناعت اور تقوی اور پرہیزگاری (دنیا سے بے رغبتی) حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح ان تمام فانی مال و جاہ اور فضول اخراجات سے بھی دور بھاگتا ہے مبادا اس کی آخرت کی نعمتیں جو اللہ نے اس کے لئے تیار کر رکھی ہیں 'ان میں کمی واقع ہو جائے۔ اگرچہ وہ اللہ کے نزدیک مقرب ہو (پھر بھی وہ ڈرتا رہتا ہے)۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے اور بعض احادیث میں بھی وارد ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے بندہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک خاص قسم کی معرفت اور تعلق نصیب ہوتا ہے۔ پھر آدمی جو مانگتا ہے 'ملتا ہے۔ جو درخواست کرتا ہے ' قبول ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: اور میرا بندہ نوافل اور اعمال صالحہ کے ذریعہ ترقی کرتے کرتے اتنا تقرب حاصل کرتا ہے کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں...... پھر وہ جو مانگے میں اسے ضرور دیتا ہوں اور اگر کسی چیز سے پناہ چاہے تو میں ضرور اسے اپنی حفاظت میں لے لیتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے اگر وہ مجھ سے دعاء کرے تو میں ضرور بالضرور اسے قبول کروں گا۔

اور نبی کریم ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جو وصیتیں فرمائی ہیں ' ان میں سے یہ ہے : " تم اللہ تعالیٰ کو یاد رکھا کرو وہ تمہیں یاد رکھیں گے ' اللہ کو یاد رکھو ' اسے اپنے سامنے پاؤ گے ۔ خوش عیشی اور فراخی کے وقت اللہ تعالیٰ سے لولگاؤ اور تعلق رکھو ' اللہ تعالیٰ تنگی اور مشکلات کے موقعہ پر تمہارا خیال رکھیں گے ۔ "

خلاصہ یہ ہے کہ بندہ کو اللہ پاک کے ساتھ خاص قسم کا قلبی تعلق نصیب ہو جاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قربت محسوس کرنے لگتا ہے اور خلوت و تنہائی میں ایک خاص قسم کی انسیت اور سکون ملتا ہے اور ذکر و دعا اور مناجات اور بندگی میں ایک خاص کیف و سرور حاصل ہوتا ہے ۔ اور یہ نعمتیں اسی کو نصیب ہوتی ہیں جو خلوت و جلوت دونوں میں حق تعالیٰ کی بندگی کرتا رہے جیساکہ حضرت وہیب بن ورد رحمہ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا : کیا گنہگار کو بھی طاعت میں لذت و حلاوت ملتی ہے ؟ فرمایا کہ : نہیں بلکہ جو گناہ کا ارادہ بھی کرے ' وہ بھی اس سے محروم رہتا ہے ۔

اور بندہ کی جب یہ کیفیت ہو جائے تو گویا اسے اپنے رب کی معرفت حاصل ہو گئی اور اسے اپنے رب سے خاص قسم کا لگاؤ پیدا ہو گیا ۔ اب وہ جو مانگے گا ' اللہ تعالیٰ ضرور اس کی مراد پوری فرمائیں گے اور جب بھی وہ پکارے گا اس کی پکار سنی جائے گی ۔ جیساکہ حضرت شعوانہ رحمہ اللہ علیہا نے حضرت فضیل ابن عیاض رحمہ اللہ علیہ سے کہا جبکہ انہوں نے دعا کی درخواست کی تو کہا : " کیا تیرے اور تیرے رب کے درمیان ایسی چیز نہیں ہے کہ اگر تو اسے پکارے تو وہ تجھے جواب دے ؟ " یہ سن کر حضرت فضیل پر غشی طاری ہو گئی = اور آدمی ہمیشہ کرب اور مصائب میں مبتلا رہتا ہے ۔ دنیا میں ' برزخ میں ' محشر میں اور اگر اپنے رب سے تعلق اور لگاؤ ہوگا تو وہ کریم ان تمام آفتوں سے اسے نجات عطا فرمائیں گے اور اسی کی طرف اشارہ ہے حدیث وصیت میں : تعرف الی اللہ فی الرخاء یعرفک فی الشدہ " فراخی و خوش حالی میں اللہ تعالیٰ سے لولگائے رکھو ' وہ تنگی اور مصیبت کے وقت تمہارا خیال رکھیں گے ۔ "

حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا : آپ کو کس چیز نے سب سے منقطع ہونے پر مجبور کیا نیز ان کے سامنے موت ' قبر ' حشر اور جنت جہنم کا ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا : ایک بادشاہ کے ہاتھ میں یہ سب کچھ ہے ۔ اگر تمہارا اس سے تعلق ہے تو پھر فکر کی بات نہیں ' وہ تمہیں ہر موقع پر کافی ہوگا ۔

پس علم نافع وہ ہوا جو حق تعالیٰ کی معرفت نصیب کرے اور حق تعالیٰ کی طرف راہنمائی کرے یہاں تک کہ بندے کو اپنے رب سے خاص قسم کا تعلق پیدا ہو جائے اور

توحید میں پکا ہو جائے اور اسے انسیت حاصل ہو جائے اور اس کی قربت کی وجہ سے (گناہ کرنے سے) شرمائے اور عبادت ایسی کرنے لگے گویا وہ اپنے رب کو دیکھ رہا ہے۔

اسی بناء پر صحابہ کرام کی ایک جماعت فرماتی تھی کہ "سب سے پہلے جو علم لوگوں سے اٹھالیا جائے گا' وہ خشوع ہو گا۔" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے: "بہت سے لوگ قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں اور وہ پڑھنے والوں کے گلے سے نیچے ہی نہیں جاتا۔ اگر وہ دل میں اتر کر پیوست ہو جائے تو جب نفع دے گا۔ حضرت حسن رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک زبانی علم اور یہ آدمی پر حجت اور اس کے لئے وبال ہے اور دوسرا قلبی علم اور یہی علم نافع ہے۔

قد وجدت لی سکنا لیس فی ھواہ عنا

مجھے تو ایسا آرام جان مل گیا' جس کی جستجو اور عشق میں کوئی پریشانی نہیں۔

ان بعدت قربنی او قربت منہ دنا

اگر میں اس سے دور ہونے لگوں تو وہ مجھے کھینچ کر قریب کرلیتا ہے اور جب میں اس کے قریب ہوتا ہوں تو وہ اور قریب آجاتا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: حضرت معروف کرخی رحمہ اللہ علیہ کے پاس تو علم کا جوہر ہے یعنی خشیت الٰہی۔

پس اصل علم تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان ہو جائے جس سے اس کی خشیت' اس سے محبت' قربت اور انسیت پیدا ہو اور اس سے ملنے کا شوق و ولولہ پیدا ہو جائے۔

اس کے بعد ان علوم کا درجہ ہے جو احکامات سے متعلق ہوں اور جن سے وہ اقوال و اعمال' احوال و اعتقادات معلوم ہوں جو مرضی مولا کے عین مطابق ہوں۔ پس جو خوش قسمت ان دونوں علوم کے حصول میں کامیاب ہو گیا اس کا علم اسے نفع پہنچائے گا اور اسے قلب خاشع' نفس قانع اور دعائے مستجاب حاصل ہو جائیں گی۔

اور جس سے علم نافع فوت ہو جائے' وہ ان چار آفتوں میں مبتلا ہو جائے گا جس سے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے اور اس کا علم اس کے لئے وبال جان ہو گا۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اپنے علم سے نفع نہیں اٹھا سکے گا کیونکہ اس کا قلب اپنے پروردگار کے سامنے نہیں جھکتا اور نہ دنیا سے اس کا نفس آسودہ ہوتا ہے بلکہ دنیا کی حرص و ہوس روز بروز بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسی طرح اس کی دعا بھی مقبول نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنے پروردگار کے احکامات بجا لانے سے پہلو تہی کرتا ہے اور اس کی ناراضگی والے اور ناپسندیدہ اعمال و افعال سے اپنے آپ کو بچاتا نہیں ہے (لہٰذا علم غیر نافع' قلب غیر خاشع'

نفس غیر قانع ' دعائے غیر مستجاب یہ آفتیں اس کو آ لیتی ہیں ۔) یہ تو جب ہے کہ اس کا علم فی نفسہٖ نافع ہو (یعنی اس سے نفع کا امکان سو فیصد ہے بشرطیکہ اس کی کوشش ہو) اور یہ وہ علم ہے جو قرآن و سنت سے متعلق ہوتا ہے اور جو علوم قرآن و سنت سے مستفاد نہیں ' ان سے تو کسی قسم کے فائدہ کا امکان ہی نہیں بلکہ ان کے نقصانات ان کے فوائد سے زیادہ ہوتے ہیں ۔

علم غیر نافع کی پہچان

جو علم نفع نہیں پہنچاتا ' اس کی پہچان یہ ہے کہ اس کا حامل اپنے اوپر نازاں ہوتا ہے ' فخر و غرور اس کا شعار اور تعلی اور لوگوں پر برتری اور مال و جاہ کی حرص و ہوس اس کا مطمح نظر ہوتے ہیں ۔ علماء سے فخر اور بے وقوفوں سے مقابلہ بازی اور لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا اس کا محبوب مشغلہ ہوتا ہے ۔ اسی کی بارے میں یہ وعید ہے اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے : " جو علم کو ان باتوں کی وجہ سے حاصل کرتا ہے ' اس کے لئے آگ ہے (اللہ ہم سب کو محفوظ فرمائے !)

اور بعض اوقات تو ایسے علوم والے معرفت الٰہیہ کے حصول کا اور اس کی کوشش میں لگنے کا اور ما سوی اللہ سے کنارہ کشی تک کا دعویٰ کر بیٹھتے ہیں (یعنی وہ معرفت الٰہیہ کے حصول ہی میں مشغول ہیں ' اس کے علاوہ کسی شے سے انہیں کوئی سروکار نہیں) حالانکہ ان کا مقصد بس یہی ہوتا ہے کہ کسی طرح لوگوں میں خصوصاً بادشاہ اور وزراء کے دلوں میں ان کی وقعت بیٹھے اور ان کے حالی موالی اور آگے پیچھے ہونے والوں کی کثرت ہو جائے اور اس سے وہ لوگوں پر اپنی دھاک جما لیں ۔ اور اس کی علامت یہ کہ وہ بسا اوقات ولایت کے مرتبہ پر فائز ہونے کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں جیسا کہ اہل کتاب اور قرامطہ و باطنیہ کا یہ خاص شیوہ رہا ہے ' حالانکہ یہ سب باتیں سلف صالحین کے طریقے کے خلاف ہیں ۔ وہ حضرات تو ظاہر و باطن ' خلوت و جلوت میں اپنے نفس کی کمی اور حقارت کا اقرار کیا کرتے تھے اور اسے ہر طرح سے متہم قرار دیا کرتے تھے ۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے : " جو شخص عالم ہونے کا دعوی کرتا ہے ' وہ جاہل ہے ۔

نیز ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایسے لوگ حق بات قبول نہیں کرتے ' نہ حق بات کے سننے کے روادار ہوتے ہیں بلکہ حق گو سے خار کھاتے ہیں اور حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ' خصوصاً جبکہ لوگوں میں حق گو کا رتبہ ان کے مقابلہ میں کم ہو ۔ نیز باطل پر اڑے رہتے ہیں کہ کہیں لوگوں کو حق بات پتہ نہ چل جائے ۔ اور بسا اوقات لوگوں کے

سامنے اپنی کمی اور اپنے نفس کی تحقیر و تذلیل بھی کرنے لگتے ہیں حالانکہ یہ سب زبانی جمع خرچ ہوتا ہے ۔ دل میں تو یہ خواہش ہوتی ہے کہ لوگ ان کی باتوں سے اور تواضع سے ان کے پھندے میں پھنس جائیں ' ان کے معتقد ہو جائیں ' ان کے گن گانے لگیں اور انہیں بزرگ اور پارسا سمجھنے لگیں اور یہ ریا کی انتہائی دقیق باب سے ہے ' جیسا کہ تابعین اور علماء راسخین نے اس پر تنبیہہ فرمائی ہے ۔ نیز ایسے لوگوں سے تعریف پر خوش ہونے اور تعریف کرانے کی خواہشات کا ظہور ہوتا رہتا ہے جس سے ان کے صدق و اخلاص کا پتہ لگ جاتا ہے ۔

صادق مخلص تو وہ ہوتا ہے جو اپنے بارے میں نفاق کا اندیشہ رکھتا ہے اور سوء خاتمہ سے ڈرتا رہتا ہے ۔ وہ اپنی دھن کا ایسا دھنی ہوتا ہے کہ اسے کسی سے تعریف سننے اور اس پر خوش ہونے کی فرصت ہی نہیں ملتی ۔ اسی بنا پر علم نافع کے حاملین کی شناخت اور ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ اپنے لئے کسی رتبہ و مرتبہ کے خواہشمند نہیں ہوتے اور تعریف و توصیف اور اچھائی بیان کرنے سے انہیں روحی نفرت ہوتی ہے ۔ وہ کسی پر بڑائی نہیں جتاتے اور کسی کو نیچی نظر سے نہیں دیکھتے ۔

حضرت حسن رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیہ تو وہی ہے جو دنیا کو چھوڑ کر آخرت کی طرف راغب ہو ' جسے دین پر بصیرت حاصل ہو اور عبادت میں لگا رہتا ہو ۔

آپ سے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ اپنے سے بڑے مرتبہ والوں پر حسد نہ کرتا ہو اور اپنے سے کم مرتبہ والوں سے تمسخر نہ کرتا ہوا اور علوم الٰہیہ پر اجر و جزا نہ لیتا ہو ۔ اس روایت کے ہم معنی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی منقول ہے ۔ آپ کا فرمان ہے کہ علم نافع والوں کا علم جتنا بڑھتا ہے ' وہ اتنا ہی تواضع اور خشیت الٰہی اور عاجزی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں :

بعض سلف سے منقول ہے کہ عالم کو چاہئے کہ اپنے رب کے سامنے عاجز اور چھوٹا بننے کے لئے اپنے سر پر مٹی ڈالا کرے ۔ کیونکہ حق تعالیٰ شانہ کے بارے میں اس کا علم جتنا بڑھے گا اور جتنی معرفت حاصل ہوتی رہے گی ' اتنی ہی زیادہ خشیت اور محبت میں زیادتی ہوگی اور تواضع و انکساری میں زیادتی ہوگی ۔

علم نافع کی علامت و نشانی

گزشتہ علامات کے ساتھ علم نافع کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے حامل کو دنیا کے پھندوں سے بچاتا ہے اور دور ہٹاتا ہے جس میں سب سے زیادہ خطرناک ریاست

اور ناموری اور تعریف و توصیف کی خواہش ہے۔

پس ان چیزوں سے دور بھاگنا اور ان سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا علم نافع کی علامت ہے اور اگر بچنے بچانے کے باوجود ایسے شخص کو ان چیزوں میں سے کسی کا سامنا ہوجاتا ہے' تو اس پر بہت زیادہ خوف اور گھبراہٹ سوار ہو جاتی ہے کہ کہیں انجام برا نہ ہو' کہیں آزمائش یا استدراج نہ ہو۔ جیساکہ حضرت امام احمد رحمہ اللہ علیہ کا نام جب مشہور ہوا اور ان کا چرچا دور دور تک پھیل گیا' تو انہیں اپنے بارے میں بہت خوف آتا تھا۔

نیز علامات علم نافع میں سے یہ بھی ہے کہ اس کا حامل علمیت کے دعوے اور اس پر فخر و غرور سے دور رہتا ہے اور دوسروں کو جاہل نہیں ٹھہراتا' ہاں جو احادیث اور محدثین کی مخالفت کرتا ہو' اس کو جاہل ٹھہرانا قابل ملامت نہیں (بلکہ قابل تعریف ہے) کیونکہ اس وقت اس کا برا بھلا کہنا اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اور اپنی بڑائی جتانے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کا غصہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے ہوتا ہے۔

اور جس کا علم غیرنافع ہو اس کا کام سوائے لوگوں پر اپنی علمی فوقیت جتانے اور ان پر اپنی فضیلت و برتری ظاہر کرنے اورانہیں جاہل ٹھہرانے اور ان کی تنقیص و تحقیرکرنے کے کچھ نہیں ہوتا تاکہ لوگوں پر اس کی دھاک جمی رہے اور سراونچا رہے اور یہی سب سے بری اور گری ہوئی خصلت ہے اور بسااوقات ایسا شخص علمائے متقدمین اور بزرگان دین کی جانب بھی جہالت اور سہو کی نسبت کرنے سے گریز نہیں کرتا' جس سے اس کے اندر حب نفس' شہرت' خودپسندی اور سلف کی طرف سے بدگمانی دل میں بیٹھ جاتی ہے (جو انسان کے لئے نہایت مہلک ہے۔) اس کے برخلاف علم نافع کے جو حاملین ہوتے ہیں وہ اپنے نفس سے ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں (اسے متہم سمجھتے ہیں) اور علمائے اسلاف کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہیں اور دل و جان سے ان کی فضیلت اور ان کی برتری کے معترف ہوتے ہیں اور یہ مراتب عالیہ تو دور کی بات ہے اس کے قریب تک اپنی رسائی کو محال سمجھتے ہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ سے جب حضرت علقمہ اور حضرت اسود رحمہما اللہ کے متعلق سوال ہوا کہ ان میں سے کون افضل ہے؟ تو آپ نے کیا ہی عمدہ جواب دیا۔ فرمایا: خدا کی قسم ہمارا منہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا تذکرہ زبان پر لائے چہ جائیکہ ان دونوں میں ایک کو دوسرے پر فوقیت دینے کا فیصلہ کریں۔

حضرت ابن مبارک جب اسلاف کا ذکر خیر فرماتے تو یہ شعر پڑھا کرتے:

لا تعرضن بذکرنا مع ذکرهم ۔۔۔ لیس الصحیح اذا مشیٰ کالمقعد

ہمارا تذکرہ ان اسلاف کے تذکرہ کے ساتھ مت کیا کرو۔ بھلا ایک تندرست صحیح سالم آدمی کا ایک لولا اپاہج چلنے میں مقابلہ کر سکے گا؟

اور غیر نافع علم کا حامل جب دیکھتا ہے کہ اسے باتیں بنانے اور لچھے دار تقریر کرنے میں اپنے سابقین پر فوقیت حاصل ہو گئی ہے تو اسے یقین ہونے لگتا ہے کہ اب تو وہ علمیت میں سب سے آگے ہو گیا۔ یا وہ اللہ کی طرف سے خصوصی عنایت کی بنا پر مراتب عالیہ پر فائز ہو گیا ہے کہ جو پہلوں کو کم ہی نصیب تھے۔ بس پھر تو اس کی نگاہ میں علمائے متقدمین و بزرگان دین کی تحقیر آ جاتی ہے پھر وہ بے باکی پر اتر آتا ہے اور یہ سب اپنی کم علمی اور نادانی کا خمیازہ ہوتا ہے۔ اس بچارے کو یہ پتہ ہی نہیں کہ علمائے سلف کلام میں احتیاط اور بقدر ضرورت پر اکتفاء کیوں فرماتے تھے۔ وہ تو خالص ورع تقوی اور خشیت الٰہی کی بنا پر تھا ورنہ اگر وہ چاہتے تو خوب اپنے کلام کے جوہر دکھلاتے' وہ اس سے عاجز نہ تھے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دفعہ دیکھا کہ کچھ لوگ کسی دینی مسئلہ پر بحثا بحثی مقابلہ آرائی میں لگے ہیں تو فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جنہیں خشیت الٰہی نے چپ کرا دیا ہے حالانکہ نہ وہ جاہل ہیں نہ ہی گونگے' فی الحقیقت وہی لوگ ہیں جو علماء فصحاء طلقاء (زباندان) نبلاء (بلند مرتبہ) ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کے عالم ہیں۔ البتہ جب انہیں اللہ کی عظمت یاد آتی ہے تو ان کے ہوش اڑ جاتے ہیں' قلوب کانپنے لگتے ہیں' زبانیں گنگ ہو جاتی ہیں۔ جب ہوش آتا ہے تو اعمال صالحہ کے ذریعہ کی طرف لپکتے ہیں۔ اپنے کو کوتاہی کرنے والوں اور گناہگاروں میں شمار کرتے ہیں حالانکہ یہی لوگ فی الحقیقت سمجھ بوجھ والے اور ہمت و طاقت والے ہوتے ہیں' گناہگاروں اور اپنے نفس پر ظلم کرنے والوں کے مقابلہ میں۔ اور بلکہ یہ لوگ نیک' صالح اور ہر عیب اور برائی سے پاک صاف ہوتے ہیں۔ البتہ وہ

خوب عمل کر کے بھی اسے اللہ کے سامنے حقیر اور قلیل سمجھتے ہیں اور تھوڑے عمل پر ان کا جی ہی نہیں بھرتا' اور نہ یہ اپنے اعمال پر نازاں ہوتے ہیں۔ وہ جہاں بھی نظر آتے ہیں غمگین' ڈرے ڈرے' سہمے سہمے' گھبرائے گھبرائے نظر آتے ہیں۔ (ابو نعیم)

نیز امام احمد اور امام ترمذی نے حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حیاء اور کم گوئی ایمان کے دو شعبے ہیں اور بد زبانی و بسیار گوئی نفاق کے دو شعبے ہیں (امام حاکم نے اسے صحیح حدیث قرار دیا ہے اور امام ترمذی نے حسن)

ابن حبان نے صحیح میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: شیریں بیانی عطیہ خداوندی ہے اور کلام میں عجز (اور رکاوٹ) شیطانی پھیرا ہے' اور شیریں بیانی بسیار گوئی کا نام نہیں بلکہ حق بات ثابت کرنے کا نام شیریں بیانی ہے اور یہاں عی (یعنی عجز اور گونگا پن) سے کم سخنی اور زبان بندی مراد نہیں بلکہ حق بات میں کمینہ پن کرنا اور اسے چھپانا مراد ہے۔

اور حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ علیہ سے منقول ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین چیزوں سے بندے کو دنیا میں نقصان ہوتا ہے مگر آخرت میں انہی تین چیزوں سے بہت نفع ہوتا ہے اور آخرت کا نفع ہی اصل نفع اور بڑی بات ہے۔ قرابت داری کا لحاظ' حیاء و شرم اور کم سخنی۔

حضرت عون بن عبداللہ سے منقول ہے کہ تین چیزیں ایمان میں سے ہیں: حیاء' عفت (پاکدامنی) اور عی یعنی عجز' اور اس عجز سے زبان کا عجز یعنی کم سخنی مراد ہے۔ دل کا عجز مراد نہیں نہ ہی عمل میں کوتاہی اور کاہلی مراد ہے اور یہ تینوں باتیں ایسی ہیں جو آخرت میں نفع پہنچاتی ہیں۔ اگرچہ دنیا میں تھوڑا بہت نقصان پہنچائیں اور ظاہر بات ہے کہ دنیا کا یہ نقصان آخرت کے لازوال نفع کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

یہی مضمون ایک مرفوع حدیث میں بھی وارد ہوا ہے (اگرچہ اس کی روایت میں ضعف ہے) بعض سلف کا قول ہے کہ بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص لوگوں میں بیٹھتا ہے اور لوگ اسے بے وقوف سمجھتے ہیں' اور سمجھتے ہیں کہ بیچارہ بولنا نہیں جانتا حالانکہ وہ اچھی طرح سے بولنا جانتا ہے مگر بے موقع گفتگو سے خاموش رہتا ہے۔ یہی اس کا کمال ہے اور یہی سمجھدار مسلمان کہلانے کے لائق ہے۔

سلف صالحین کے مقام و مرتبہ کا بیان

جو شخص سلف صالحین بزرگان دین کے مقام کو پہچان لیتا ہے اسے اس کا پورا اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کی خاموشی اور کم سخنی ' جھگڑے سے کنارہ کشی اور بحث مباحثہ ' مناظرہ اور جھگڑے سے پرہیز اور ضرورت سے زیادہ تفصیل و تشریح میں پڑنے سے کنارہ کشی ' یہ کسی کمزوری یا کم علمی یا کسی اور کمی کے باعث نہ تھا بلکہ تقویٰ ' پرہیزگاری اور خشیت الٰہی کا ثمرہ تھا۔ انہیں فضول بحث مباحثہ کی فرصت ہی نہ تھی۔ اس کی بجائے سارا وقت ضروری اور اہم مقاصد کے لئے وقف تھا۔ ان کا کلام اصول دین کے متعلق ہو یا فرعی مسائل یا تفسیر قرآن ' تشریح احادیث یا زہد و رقائق وعظ و نصیحت میں ہو الغرض کہ جس موضوع پر بھی ہوتا یکساں مختصر مگر جامع اور پر مغز ہوا کرتا تھا۔ پس جو ان کی راہ پر ان کے موافق چلا وہ تو ٹھیک راستہ پر رہا اور جو ان کے مسلک سے پھرا اور سوال و جواب ' بحث مباحثہ اور تو تو میں میں کے جھگڑے میں الجھا ' وہ برباد ہوا۔ ہاں اگر وہ ان اسلاف کی افضلیت کا معترف ہے اور اپنی کمی اور تقصیر کا اقرار کرتا ہے تو وہ غنیمت ہے۔ اس کے راہ راست پر آجانے کی قوی امید ہے۔

حضرت عباس بن معاویہ رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: جو آدمی اپنے عیوب اور کھوٹ سے واقف نہیں وہ بیوقوف احمق ہے۔ ان سے دریافت کیا گیا اچھا ' آپ کے اندر کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا: زیادہ بولنا ' پھر فرمایا: اور ایسا شخص اگر اس پر بھی اپنی برتری جتائے اور اپنے اسلاف کی طرف کمی اور جہالت منسوب کرے پھر تو یہ بڑی ہی گمراہی اور سخت گھاٹے میں پڑ گیا۔

الغرض اس فاسد زمانے میں یا تو آدمی اپنے لئے یہ پسند کرے کہ وہ اللہ کے ہاں عالم کہلائے (یعنی علماء حق میں سے ہو) نہیں تو یہ پسند کرے کہ لوگوں میں عالم کہلائے۔ اگر اسے عالم حقانی بننا پسند ہے تو وہ اپنے لئے یہی کافی سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے حال کا پورا علم ہے ' اور جس خوش نصیب کو معرفت الٰہی بھی نصیب ہو وہ اپنے اس خصوصی تعلق اور لگاؤ کو کافی سمجھ لے۔ اور جسے یہ دھن سوار ہو کہ وہ اپنی شان علمیت لوگوں سے منوا چھوڑے تو وہ اس وعید میں داخل ہو جائے گا جو حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: جو شخص علم صرف اس لئے حاصل کرتا ہے کہ علماء سے مقابلہ اور مفاخرت کرے یا جاہلوں اور کمینوں کے سامنے لفاظی کرے یا عوام الناس

کو اپنا گرویدہ بنائے تو اسے چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔ حضرت وہیب بن ورد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں بعض عالم ایسا ہوتا ہے کہ لوگوں میں عالم گنا جاتا ہے مگر اللہ تعالی کے ہاں وہ جاہلوں میں شمار ہوتا ہے۔

صحیح مسلم شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث منقول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے پہلے جن لوگوں سے جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی وہ تین قسم کے لوگ ہوں گے: اول وہ جس نے قرآن شریف اور علم دین اس لئے سیکھا کہ لوگوں میں وہ قاری اور عالم کہلائے (قیامت میں جب اسے حاضر کیا جائے گا) تو اسے جتایا جائے گا کہ (تیری خواہش کے مطابق) تجھے قاری عالم کہا گیا۔ پھر حکم ہو گا تو اسے منہ کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں پھینک دیا جائے گا.... (الحدیث) اگر ایسا عالم اس پر بھی باز نہیں آیا اور لوگوں کا حاکم اور قاضی بننے کی فکر میں لگ گیا (اسلئے کہ لوگ حاکم اور قاضی سے کم مرتبہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور نہ ہی اس کی خاص عزت و توقیر ہوا کرتی ہے) تو گویا اس نے بڑھیا اور بیش قیمت چیز کو ایک گھٹیا اور کم قیمت چیز سے بدل لیا اور علماء کے مرتبہ سے گر کر نادانوں کے زمرہ میں شامل ہو گیا۔

اسی بناء پر بعض سلف کو جب عہدہ قضا پیش کیا گیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں نے تو علم اس لئے حاصل کیا ہے تاکہ انبیاء کے ساتھ اٹھوں، اس لئے نہیں کہ بادشاہوں کے ساتھ حشر ہو۔ کیونکہ علماء کا حشر انبیاء کے ساتھ ہو گا اور قاضیوں کا حشر بادشاہوں کے ساتھ۔ بس مومن کو تھوڑا صبر ہی کرنا ہے اس کے بعد تو پھر مزے ہی مزے۔ اگر بے صبری سے کام لیا تو ایسے کے لئے حضرت عبداللہ بن مبارک نے کیا ہی خوب فرمایا ہے: جو صبر کرتا ہے اسے تھوڑا صبر کرنا پڑتا ہے، اور جو ناصبری کرتا ہے اس کے مزے کے دن کتنے تھوڑے ہوتے ہیں!

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ کے اشعار ہیں

یا نفسی ماھی الا صبر ایام   کان مدتھا اضغاث احلام

اے نفس! صبر کے دن کتنے تھوڑے سے ہیں اس کی مثال تو ڈراؤنے خواب کی سی ہے

یا نفس جوزی عن الدنیا مبادرہ   وخل عنھا فان العیش قدام

اے نفس! دنیا سے تیزی سے گزر جا، اسے پیچھے چھوڑ دے خوشحالی تو آگے ہے آگے۔

اللہ تعالی ہمیں علم نافع نصیب فرمائے اور علم غیر نافع سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اسی طرح اس قلب سے جس میں خشوع نہ ہو اور اس نفس سے جسے آسودگی نہ ہو اور ایسی دعا سے جو مقبول نہ ہو، الہی تو ہمیں ان چاروں سے بچائیو۔

فہرست مضامین

فصل

آدمی کو چاہیئے کہ ان آیتوں اور حکایتوں کو غور سے پڑھے 'جن میں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی مردہ دلی اور قساوت قلبی کی مذمت فرمائی ہے کہ وہ کھلی کھلی نشانیاں اور معجزات باہرہ ' جیسے مردہ کو گائے کے لوتھڑے سے مس کر کے زندہ کرنے کو دیکھ کر بھی ہدایت پر نہیں آئے ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان بدکرداروں کی ڈگر پر چلنے اور ان کی روش اپنانے کو منع فرمایا اور ہمیں اس طرح توجہ دلائی گئی ۔

الم یان للذین امنو ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ فما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم و کثیر منھم فسقون ٥

اور دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قساوت قلبی کی وجہ بیان فرمائی ہے:

فبما نقضھم میثاقھم لعناھم وجعلنا قلوبھم قاسیہ

اس طرح حق تعالیٰ شانہ نے یہ بیان فرمایا کہ ان کی قساوت قلبی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب کے طور پر تھی 'کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے عہدوپیمان کو توڑ ڈالتے تھے اور اس کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا کرتے تھے اور مسلمانوں کو خیال دلایا گیا ہے کہ تم بھی ویسے مت ہو جانا ۔ نیز ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یحرفون الکلم عن مواضعہ فنسوا حظا مما ذکروا بہ

اس میں یہ بیان ہے کہ وہ اپنی قساوت قلبی کی بدولت دو بری خصلتوں کے خوگر ہو گئے تھے:

اول: کلام الٰہی میں ردوبدل اور تحریف کا ارتکاب

دوم: مواعظ و نصائح کو بھول جانا اور اس سے غفلت برتنا اور اسے بالکلیہ چھوڑ بیٹھنا جس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ اس پر عمل کرنا چھوڑ دیتے اور اسے بیکار اور فضول سمجھنے لگتے ۔

اور یہی دو برائیاں پھر پیدا ہو گئی ہیں جو ہمارے علماء کرام کو خراب کر رہی ہیں ۔ بوجہ اہل کتاب کی مشابہت اختیار کرنے کے ۔ ایک تو کلام الٰہی میں تحریف کرنا ہے ۔ وہ اس طرح پر کہ جو علم حاصل کرتے ہیں اور ان کا مقصد عمل نہیں ہوتا ۔ تو یہ ان کے قلب کے لئے باعث قساوت ہوتا ہے 'پھر وہ عمل میں تو لگتا نہیں اور اس کا کام تحریف و تبدیل ' ادھر کا ادھر ' ادھر کا ادھر کرنا رہ جاتا ہے اور طرح طرح سے مضامین میں ہیر پھیر اور بعید از امکان احتمالات قائم کر کے مضامین میں دلچسپی پیدا کرتا ہے اور حدیث کے الفاظ پر رکیک قسم کے اعتراضات کرنے سے بھی باز نہیں آتا اور قرآن پر اعتراضات کرنا چونکہ اس کے بس کی بات نہیں اس لئے وہ اس طرف منہ مارنے سے گریز کرتا ہے ۔ اور اس طرح ان حضرات کو جاہل و کم فہم اور حاسد ٹھہرا دیتا ہے جو ظاہر نصوص سے مفہوم ہونے والے احکام پر عمل پیرا ہوتے ہیں ۔

دوسری بات مواعظ اور نصائح کو بھول بیٹھنا ' یہ لوگ علم نافع سے فائدہ نہیں اٹھاتے ' نہ ان کے قلوب ان سے نصیحت پاتے ہیں بلکہ وہ تو ایسے لوگوں کی برائی کرتے ہیں اور انہیں بیوقوف ٹھہراتے ہیں جو رقت آمیز ' دل نرم کرنے والی باتیں اور نصیحتیں کرتے ہیں ' بلکہ انہیں داستان گو ملا کہ کر ٹرخا دیتے ہیں ۔ اہل رائے حضرات کی کتابوں میں ان کے بعض شیوخ سے منقول ہے کہ ہر علم کا ثمر اس کی شرافت اور اس کی خوبی کو خود ظاہر کرتا ہے ۔ اس لئے جو علم تفسیر میں لگتا ہے اس کا ثمرہ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتا ہے اور آخرت کی یاددہانی کراتا رہتا ہے ' اور جو رائے اور قیاس کے پیچھے پڑتا ہے اور ان کے علوم حاصل کرتا ہے وہ بیشک مفتی ' قاضی ' حاکم مدرس سب بن جاتا ہے مگر ایسے لوگوں کا حصہ ان لوگوں میں بھی ہوتا ہے جن کے بارے میں ہے :

يعلمون ظاهرا من الحياه الدنيا فهم عن الا خره هم غافلون ٥

اور انہیں ایسا کرنے پر آمادہ کرنے والی شی دنیا کی انتہائی رغبت اور محبت اور اس میں بڑائی اور برتری حاصل کرنے کی خواہش ہوتی ہے ۔ اگر وہ دنیا سے بے رغبت ہو کر آخرت کی فکر میں لگ جاتے اور خود بھی نصیحت پکڑتے اور دوسروں کو بھی نصیحت پر عمل کرانے والے ہوتے ' تو جو کچھ اللہ پاک نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمایا ہے ' اس پر مضبوطی سے قائم رہتے اور لوگوں کو بھی اسی کی تلقین کرتے ، پھر لوگوں کی اکثریت تقوی کی حدود سے نہ نکلتی (یعنی تقوی پر عمل کرنے والے بن جاتے) کیونکہ اکثر لوگوں میں تقوی ' پرہیزگاری جیسی صفات موجود تھیں ۔ پس علماء اگر ایسا کرتے ' تو قرآن و حدیث کے نصوص ہی سب کے لئے کافی ہوتے اور جو ان سے الگ ہوتے اور اپنی الگ رائے قائم کرتے بھی تو بہت کم کرتے اور اللہ تعالی ایسے لوگ پیدا فرماتے رہتے ہیں جو نصوص کو سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں جس سے وہ راہ سے ہٹنے والوں کو راہ راست پر لاتے ہیں اور جو خلاف شرع تفریعات و تفصیلات اور ناجائز حیلوں سے بے نیاز کر دیتے ہیں کہ ان ہی حیلوں بہانوں نے رباء اور دیگر محرمات کے دروازے کھول دئے ہیں اور چھوٹے چھوٹے بہانوں کے باعث حرام امور کا ارتکاب ہونے لگا جیسا کہ اہل کتاب کا شیوہ تھا :

فهدى الله الذين امنو الما اختلفو فيه من الحق باذنه والله يهدى من يشاء الى صراط مستقيم ٥

و صلى الله على سيدنا محمد واله واصحابه و سلم تسليما كثيرا كثيرا الى يوم الدين و

حسبنا الله و نعم الوكيل

حقائق از رسالہ " اکمال الشیم "

علم فائدہ بخش وہی ہے جس کی شعاعیں سینہ اور دل میں پھیل جائیں اور وہ دل پر سے شکوک و اوہام کے پردے اٹھادے۔

ف علم فائدہ بخش اور نافع سے مراد حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا علم ہے اور یہ وہ علم ہے جس سے اس کی بندگی کی کیفیت معلوم ہو۔ اس علم کی مثال شمع یا چراغ کی سی ہے کہ جب وہ کسی بندے کے دل میں ڈالا جاتا ہے تو اس کی شعاعوں اور انوار سے اس بندہ کا دل پر ہو جاتا ہے اور تمام شک اور وہم خواہ متعلق دین کے ہوں یا دنیا کے ' زائل ہو جاتے ہیں اور ہر امر میں یقین اور حقیقت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور شہوات و کدورت کی تاریکی اس کے دل سے دور ہو جاتی ہے۔ اور درحقیقت علم جس کا نام ہے وہ یہی ہے اور جس علم کی یہ شان اور تاثیر نہ ہو وہ علم ہی نہیں ' وہ محض زبانی علم ہے۔

عمدہ علم وہ ہے جس کے ساتھ خوف خدا بھی ہو ف ' خوف خدا یہ ہے کہ قلب میں حق تعالیٰ کی عظمت اور جلال ہو۔ جب علم کے ساتھ یہ صفت بھی ہو تو وہ ہی سب سے بہتر علم ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ایسے ہی علم والوں کی اپنے کلام پاک میں تعریف فرمائی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء

یعنی اللہ سے اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں۔

پس جس علم کے ساتھ خشیت یعنی خوف خدا نہ ہو وہ علم نہیں اور نہ ہی ایسا شخص عالم حقانی ہے۔ پس علامت عالم کی خوف خدا ہے اور خوف خدا کی علامت اتباع شریعت ہے۔ اگر اتباع شریعت نہیں ہے تو سمجھ لو کہ خوف خدا بھی نہیں۔ اور جس علم کے ساتھ دنیا کی رغبت ہو اور دنیا داروں کی خوشامد ہو اور دنیا کمانے میں ہی توجہ ہو اور تکبر اور بڑی بڑی تمنائیں اور آرزوئیں ہوں ' اور آخرت سے غفلت ہو ایسا علم ' علم نہیں اور ایسا عالم انبیاء کے وارثوں میں شمار نہیں۔

علم کے ساتھ اگر تجھ کو خوف خدا بھی ہو تو وہ تجھ کو فائدہ بخش ہے ورنہ وہ تیرے لئے ضرر رساں ہے۔

ف: جس علم کے ساتھ خوف خدا ہو کہ جس کی حقیقت اوپر بیان ہو چکی ہے ' ایسا علم دنیا اور آخرت میں نفع مند ہے اور جس علم کے ساتھ یہ صفت نہ ہو وہ دنیا و آخرت

دونوں میں مضر ہے اور علماء حقانی و غیرحقانی میں یہی فرق ہے کہ علماء حقانی خوف خدا کی صفت لئے ہوئے ہوتے ہیں اور علمائے دنیا خدا سے نڈر اور اپنے علم پر مغرور و متکبر ہوتے ہیں۔

" خدا کی قسم! تیرا ایسا جاہل کا ہم نشین ہونا جو اپنے نفس سے ناراض ہے تیرے لئے اس عالم کی صحبت سے جو اپنے نفس سے رضامند ہے زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس عالم کے لئے جو اپنے نفس سے راضی ہو اس کا علم کیا مفید ہے اور اس جاہل کے لئے جو اپنے نفس سے ناراض ہے اس کا جہل کیا مضر ہے۔"

ف: چونکہ عالم کی صحبت نافع اور جاہل کی مضر ہونا سب کے نزدیک مسلم ہے اس لئے قسم کھا کر شیخ فرماتے ہیں کہ جو شخص علوم ظاہرہ سے جاہل ہو لیکن وہ اپنے نفس سے ناراض ہے اور اس کے قلب میں اذعان اور یقین اس امر کا راسخ ہے کہ میرا نفس مجموعہ ہے تمام شرور و نقائص کا اور میں سراپا عیب و نقصان ہوں اور اپنی خوبی اور کمال کا بھول کر بھی وہم و شبہ اس کو نہیں ہوتا تو یہ شخص کامل ہے۔ اس لئے کہ جو شے جڑ ہے تمام طاعات کی اور کمالات کی وہ اس کو حاصل ہے تو اس کی صحبت تیرے لئے بہتر ہے۔ گویا وہ درحقیقت جاہل ہی نہیں اور جو شخص علوم ظاہرہ کا ماہر ہو لیکن اپنے حال اور اپنے نفس سے راضی ہو اور اس کو پسند کرتا ہو' تو خواہ علمی دقائق اس کے اندر ہوں لیکن اس کی صحبت مضر ہے اس لئے کہ جو ہر غفلت اور معصیت کی جڑ ہے وہ اس کے اندر موجود ہے۔ اور گو اس کا علم ظاہری بظاہر اس کو ظاہر شریعت کا پابند بنائے ہوئے ہے لیکن اس کی حالت خطرناک ہے اور اس پر کسی طرح اطمینان نہیں ہے اور ضرور یہ مرض کبھی نہ کبھی اپنا رنگ لائے بغیر نہ رہے گا اور جو اس کی صحبت میں رہے گا تو چونکہ صحبت کا اثر مسلمات میں سے ہے اس لئے اس کے اندر بھی یہ مرض ضرور پیدا ہو گا کہ اپنی تحقیقات علمیہ اور اپنے حال کو پسند کرے گا۔ اور یہ عین غفلت ہے حق تعالیٰ سے اور یہ مرض بہت دقیق ہے اس لئے کہ جس کے اندر ہوتا ہے اس کو خود اس کا ادراک نہیں ہوتا اس لئے اس مرض کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اپنے حال کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنا۔ پس جو شخص اپنے سے ناراض ہے اور اپنے ہر حال کو خواہ وہ کتنا ہی حسین نظر آوے اس کو ناپسند ہو اس کو جہل کچھ مضر نہیں اور جو عالم اپنے سے راضی ہے اور اپنی ہر بات کو پسند کرتا ہے اور اس سعی میں ہے کہ لوگ میری بات کو پسند کریں اس کو اس علم کا کچھ نافع نہیں۔

المستشار مؤتمن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امابعد۔ مشورہ پر غور کرنے سے قبل مندرجہ ذیل امور کو سامنے رکھیں:۔

(ا) سب سے پہلے رسالہ " حقیقت العلم " کے مضامین کو ذہن میں تازہ کرلیں۔

2۔ جس طرح علوم دینیہ میں بعض کا تعلق عبادات سے ہے جو عبد و معبود کے درمیان ہے بعض کا تعلق معاملات سے ہے جو بندوں کی باہمی بہتری کے قوانین ہیں۔ جب ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے عمل میں لایا جائے تو یہ لین دین اور حرام و حلال کا خیال عبادات کے حکم میں ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح دنیوی علوم سائنس ' طب ' انگریزی وغیرہ جو فنون دنیوی ہیں وہ بھی غلبہ اسلام ' تبلیغ ' جہاد اور کسب حلال میں کام آتے ہیں لہٰذا ان کے حصول کا احساس آج کل علماء کے لئے اپنی جگہ بالکل درست ہے۔ (اگرچہ کسی وجہ سے علماء سلف اور اکابرین کو اس کا احساس نہیں ہوا اور اخلاف صادقین کو اب اس کا احساس ماشاء اللہ ہو رہا ہے!)۔

3۔ ہر چیز کا اپنا درجہ اور نمبر ہوتا ہے۔ تصحیح عقائد سب سے اول نمبر پر ضروری ہے۔ پھر حصول علم کے لئے فرض عین کا درجہ پھر فرض کفایہ کے درجہ کا علم۔ پھر دنیوی مباح علم۔

4۔ رسالہ " حقیقت العلم " میں علم دین کے مقاصد اور عالم دین کی جو صفات مذکور ہیں وہ خالص دینی مدارس سے بھی پورے نہیں ہو رہے۔ الا ماشاء اللہ ' اور خالص دینی علوم سے بھی دین کا تحفظ مشکل ہو رہا ہے کہ اس کو بھی دنیا کے لئے استعمال کیا جا رہا ہے الا ما شاء اللہ ' حالانکہ ایسا کرنا آخرت کے لحاظ سے وبال کا ذریعہ ہوتا ہے۔ تو مخلوط علوم سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے۔ اس کے باوجود دینی اور دنیاوی دونوں علوم کو ملا کر پڑھانے کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ حالانکہ اس تجویز کے ناکام ہونے کا پہلے بھی کئی جگہ تجربہ ہو چکا ہے۔

" من جرب المجرب حلت بہ الندامہ "

لیکن قلوب کی ظلمت کا یہ حال ہے کہ جہاں جہاں یہ تجربہ ناکام ہوا ہے وہ حضرات اپنی اس ناکامی پر فخر کرتے ہیں۔ اس کیفیت اور فریب کا اہل علم جو نام رکھیں لیکن عارف

رومی فرما گئے:

ہم خدا خواہی وھم دنیائے دوں　　　این خیال است و محال است و جنوں

وجہ یہ ہے کہ

دنیا حاضر ہے ' ظاہر ہے ' آخرت غائب ہے۔ تاثر کے لحاظ سے حاضر و غائب کا بہت فرق ہوتا ہے۔ غیب کی خبر پر ایمان کی کمزوری طبائع کی پستی اور مادہ کے غلبہ کی وجہ سے ہے پھر جب اعلیٰ اور ارذل جمع ہو جائیں تو نتیجہ ارذل کے تابع ہوتا ہے جبکہ وہ ظاہر ہو اور مشاہد ہو اور غائب و اعلیٰ پر حق الیقین بھی نہ ہو۔ البتہ جمع کی ایک صورت ہے وہ یہ کہ پہلے علوم دینیہ کو اخلاص کے ساتھ پورا حاصل کیا جائے اور اس کے لوازمات اور متقاضی صفات حاصل ہو جائیں۔ مثلاً زہد و قناعت ' یقین و احسان ' خشیت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی محبت۔ اور اسی طرح نسبت (مع اللہ) خاصہ کو اس کے ذرائع کے ساتھ حاصل کرکے اس میں رسوخ پیدا ہو چکا ہو اور قلب کی یہ حالت بن چکی ہو کہ

درد دل ما غم دنیا غم معشوق شود　　　بادہ گر خام بود پختہ کند شیشہ ما

اب اس نور اور حقیقت علم کے حامل کو کوئی چیز نقصان نہیں کرے گی لیکن یہ بھی مجرب ہے کہ ایسے کامل نور والے عالم دین کو دنیا کی عزت یا خدمات دینیہ میں کسی بھی دنیوی علوم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جہاں کسی علم کی یا کسی چیز کی ضرورت ہوئی وہ خادمانہ حاضر ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اکابرین کے کارنامے ہر میدان میں ظاہر ہیں اور ہمارے (قریب) زمانے کے حضرت سید احمد شہید صاحب کا جہاد ' حضرت شیخ الہند کی تحریک ' حضرت مولانا الیاس صاحب دہلوی کی جماعت تبلیغ (اس بارے میں " علماء ھند کا شاندار ماضی " اور تاریخ دعوت و عزیمت ملاحظہ ہو۔)

حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کے بچپن میں حضرت دہلوی کو کسی مفکر اسلام نے عرض کیا کہ جب آپ یورپ میں بھی تبلیغ چاہتے ہیں تو مولوی یوسف سلمہ کو انگریزی بھی پڑھوا دو اس کے بغیر وہاں کیسے تبلیغ ہو گی؟ حضرت دہلوی نے فرمایا کہ میں اس کو انگریزی پڑھوا کر کیوں کھوؤں (ضائع کروں) اس کو ایسا کیوں نہ بنوا دوں کہ انگریزی پڑھے ہوئے اس کی ترجمانی کرکے اس کی اور دین کی خدمت کریں؟ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ یورپی

ممالک میں اور خود ہندوستان میں جدید طبقہ کے اندر حقیقی دینی کام اور کامیاب دینی انقلاب جس قدر حضرت جی کی جماعت سے ہوا اس کا عشر عشیر بھی علوم میں دینی ' دنیوی جامعیت والے دانشوروں سے نہیں ہو سکا ' بلکہ انگریزی اداروں ' یونیورسٹیوں ' میڈیکل کالجوں اور جامعیت کے دعویداروں کے اداروں میں بھی دینی انقلاب حضرت دہلوی کی برکت ہی سے ہوا۔

اس کے بعد بندہ مشورہ عرض کرتا ہے

(ا) کچھ دین دار صاحب علم روشن دماغ مفکرین حضرات مل کر جامع العلوم کالج نام سے ایک کالج بنائیں یا پہلے ہائی اسکول بنالیں۔ جس میں دینیات فرض عین کے درجہ تک ہو۔ فرض کفایہ کے درجہ والا پورا عالم بنانے کی نیت ہی نہ ہو کالج سے فراغت کے بعد کوئی اپنے طور پر پورا عالم بننا چاہے تو شوق سے بنے۔ (مگر دینی مدرسہ میں داخلہ لے کر تعلیم حاصل کرے خود نہ پڑھے) ۔ اس کالج میں علوم عصری ' سائنس ' طب ' انگریزی وغیرہ کی سب کچھ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی تعلیم ہو بلکہ دیگر عام کالجوں سے بڑھ کر ہو۔ وہاں طلباء سے خاصی مقدار میں فیس لی جائے۔ لیکن کوئی خصوصی ذہین طالب علم ہو تو اس کے لئے اچھے وظیفہ کا انتظام ہو۔ اور داخلہ کی شرائط سخت ہوں۔

2۔ ملک میں بعض جگہ بہت دیندار ماسٹر ' پروفیسر صاحبان مل جاتے ہیں۔ ان کو کوشش کر کے لایا جائے۔ ان کے ذریعے دینی تربیت مثل قدیم دینی مدارس کے ہو۔ کسی استاد یا طالب علم میں اس کے مزاج یا عمل میں دین کے خلاف جذبات یا سستی ہو تو اس کو فوراً الگ کر دیا جائے اس طرح طلباء کی تعداد کم ہو گی۔ اس قسم کے ہائی سکول کا ٹیکسلا میں (نہایت) کامیاب تجربہ ہو چکا ہے جو اب بھی موجود ہے۔

اگر اس طرح کا ادارہ بنانے کی فی الحال ہمت نہ ہو یا وسائل نہ ہوں تو اس خیال کے حضرات اپنے بچوں کو کسی اچھے مکتب میں (یا اپنے گھر میں مکتب بنا کر) قرآن پاک حفظ کرائیں۔ اس دوران فرض عین علم کے درجہ کی دینی تعلیم دے دیں (فرض عین علم کی تفصیل رسالہ کے مقدمہ میں گزر چکی) بزرگوں سے تعلق اور ذکر سے لگاؤ کروا دیں ' انشاء اللہ دینداری اور اخلاق میں پختہ ہونے کے بعد کسی بھی سکول کالج میں دنیا کی خاطر جائز (مباح) تعلیم حاصل کرے جس سے دنیا کی ملازمتیں ' تجارتیں وغیرہ کر سکے۔ کسب حلال کر کے اپنے عمل سے ثابت کر دے کہ اسلام دنیا کے ساتھ چل سکتا ہے۔ دنیا

والوں میں تبلیغ بھی کریں اس قسم کے بہت سے حضرات نسبت باطنی کے حامل اور ولایت خاصہ کے درجہ تک پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے اندر علم دین صرف اپنے عمل کی ضرورت پورا کرنے کی حد تک ہوتا ہے جو دین کے نام سے کمائی یا کسی فتنہ کا باعث نہیں بنتا۔ دنیا کے حصول کے لئے ان کے پاس دنیا کا معقول علم ہوتا ہے۔ ان کے پاس ایم۔ اے کی سچی ڈگری ہوتی ہے۔ آج کل کی اعزازی سند کی طرح کالج کے ایم۔ اے والوں کے سامنے مذاق نہیں بنتا اور وراثت انبیاء کے اعزاز کو فلاح دارین کے لئے کافی نہ سمجھنے والوں کا مذاق اڑنا بھی چاہئے۔ یہ واقعہ ہے کہ ایم۔ اے کی اس طرح کی ڈگری حاصل کرنے والوں کو ایم۔ اے کے معنی معلوم نہیں ہوتے۔ دوسری طرف پرانے خیال کے حضرات یوپی کے پرانے مدرسہ عربی دیوبند (جو بعد میں دارالعلوم کے نام سے مشہور ہوا) اور مدرسہ عربی مظاہر علوم جو بعد میں جامعہ مظاہر العلوم' اسی طرح پنجاب میں ایک عربی مدرسہ خیرالمدارس اور رائے پور گوجراں میں بھی عربی مدرسہ تھا۔ ان مدرسوں جیسا مدرسہ بنائیں جہاں ایسے طلباء رکھیں جن میں عالم ربانی بننے کی صلاحیت اور نیت ہو۔ اور اس امر کو جانچنے اور معلوم کرنے کے لئے پوری کوشش کی جائے یا ایسا ادارہ بنائیں جس میں صرف پہلا درجہ "فرض علم" کے حصول کا انتظام ہو' جس میں ہر طالب علم کو داخل کرلیں۔ اس دوران پورا عالم بنانے کے لئے خصوصی طلباء کو چھانٹ لیا جائے۔ وہاں طلباء کی تعداد کم ہوگی اور طعام و رہائش کا انتظام بھی ناقص ہوگا۔ اگر آرام و آسائش کے سامان اپنے کو مشغول کئے بغیر منجانب اللہ اہل خیر کی طرف سے ہو جائیں تو اسے بھی اختیار کرلیں لیکن فارغ ہونے کے بعد کیا کریں گے؟ مستقبل میں معاش اور عزت وغیرہ کا تو کبھی سوچا ہی نہ جائے۔ بس رسالہ حقیقت علم کے مطابق عالم دین کی دینی صفات پیدا کرنے کی فکر ہو۔ یقینی اور دائمی مستقبل کا فکر سوار ہو۔

یا ایہا الذین امنوا اتقوا اللہ ولتنظر نفس ما قدمت لغد

اور اس مستقبل کا فکر سارے فکروں کو بھلا دے۔ فانی زندگی کے گزارے کے لئے رزق مقدر ہو چکا ہے اور پھر ایسے یقین والے کو زیادہ کچھ کرنے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ اس میں مشغولی یا تو فضولیات یا وہمی اور عارضی مستقبل کے لئے ہوتی ہے جو کہ عالم ربانی کے شایان شان نہیں۔ ان مدارس عربیہ میں تربیت اس طرح کی تھی کہ ہمارے مظاہر علوم کے بڑے ناظم صاحب اگر کسی کی پہلی صف کے مستقل نمازی طالب علم کو کسی نماز میں دوسری صف میں کھڑا دیکھتے تو شفقت سے مزاج پرسی کرتے۔ آدھی رات کو لالٹین لے کر رہائش گاہوں کا معائنہ کرتے۔ اس دور کے طالب علم سے خانقاہ امدادیہ

میں مسجد کی حدود میں اگر حضرت اقدس تھانوی جیسے نے بھی بھول کر روپے کی ریزگاری طلب کرلی تو طالب علم نے ادب سے پوچھ لیا کہ حضرت یہ بیع صرف میں داخل تو نہ ہو جائے گا ؟ اس دور کے بعض طالب علم مدرسہ سے فراغت کے ساتھ ہی بغیر اشتغال تصوف کئے مجاز بیعت ہو جاتے تھے ۔ ایسے مدرسہ میں اب طلباء کی تعداد بہت کم ہو گی ' خرچ زیادہ ہو گا لیکن ایسا طالب ہزار سے اچھا ہو گا ۔ یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ داخلہ میں اکابر کے دور میں اتنی سختی نہ تھی اور اس وقت بھی ہزاروں میں چند ایک ہی نکلتے تھے ۔ تو عرض ہے کہ اس وقت باقی ماندہ عام علماء باعث فتنہ نہ بنتے تھے وہ کچھ تو چھوٹے دنیاوی کاموں میں لگ جاتے ' کچھ خوش قسمت مکتب پڑھا لیتے ' امامت کرلیتے لیکن اب حالت ناگفتہ بہ ہوتی جا رہی ہے ۔ باقی ایسے مدرسہ میں مختصر تعداد کے باوجود کسی طالب علم کا رجحان مدرسہ کے مزاج کے خلاف پایا جائے تو اس کو بھی فورا الگ کر دیا جائے ۔ اس طرح کالجوں والا اگر کوئی کالج چھوڑ کر ادھر آنا چاہے تو اسے بخوشی قبول کر لیا جائے ۔ ایسے مدرسہ کا لندن جیسی جگہ میں اور کراچی میں کامیاب تجربہ ہو چکا ہے ۔ دیگر جگہوں پر بھی جو حضرات ہم خیال ہوں اور وہ اپنی جگہ پر انفرادی حیثیت سے کچھ نہ کر سکتے ہوں وہ جمع ہو کر مشورے سے ایسا مدرسہ بنائیں ۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے ۔

و ما علینا الا البلا غ و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سید نا و مولانا محمد والہ وسلم تسلیما کثیرا کثیرا برحمتک یا ارحم الراحمین

محمد اقبال ۔ مدینہ منورہ

۲۸ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ

مستفادة تاریخ دعوت و عزیمت حصہ دوم
از مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی مدظلہ

مختصر حالات حافظ ابن رجب رحمہ اللہ علیہ

عبدالرحمان نام ' والد کا نام احمد بن رجب ۔ مشہور حافظ ابن رجب کے نام سے ہیں۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے : عبدالرحمان بن احمد بن رجب ابن عبدالرحمن بن الحسن بن محمد بن ابی البرکات مسعود ' خاندانی وطن بغداد تھا ۔ وہیں ربیع الاول ۷۳۶ ھ میں پیدائش ہوئی ۔ ۷۴۴ ھ میں اپنے والد کے ساتھ صغر سنی میں دمشق آئے ۔ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن الخباز اور ابراہیم بن العطار وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی ۔ مصر میں ابوالفتح المیدومی اور ابوالحرم القلانسی وغیرہ سے حدیث کی روایت کی ۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کا بیان ہے کہ انہوں نے کثرت سے حدیث کی سماعت کی اور حدیث کے ساتھ اشتغال کیا ۔ یہاں تک کہ فن حدیث میں مہارت حاصل کرلی ۔ حافظ ابوالفضل تقی الدین ابن فہد مکی (م ۸۷۱ ھ) نے تذکرہ الحفاظ کے ذیل (لحظ الالحاظ) میں ان کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے :

الامام الحافظ الحجتہ والفقیہ العمدہ احد العلماء الزہاد والائمتہ العباد مفید المحدثین واعظ المسلمین

وہ ان کے حالات میں لکھتے ہیں کہ " وہ متورع و زاہد پیشوا تھے ' اللہ تعالیٰ نے قلوب میں ان کی محبوبیت پیدا کردی تھی ' اور تمام جماعتوں کا ان کی صلاح و فضیلت پر اتفاق تھا ' ان کی مجالس وعظ عمومی اور بڑی مفید اور نہایت درجہ موثر تھیں ۔ الشہاب بن حجی ان کی علمی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" فن حدیث میں بڑے مبصر اور محقق تھے ' اپنے معاصرین میں علل حدیث اور طرق حدیث کے سب سے زیادہ واقف تھے ۔ اکثر ہمارے ہم عصر علمائے حنابلہ ان کے شاگرد ہیں ۔ "

ماہ رجب ۷۹۵ ھ میں انتقال ہوا ' اور الباب الصغیر دمشق میں دفن ہوئے ۔ انتقال سے چند دن پیشتر ایک گورکن کے پاس آئے اور ایک جگہ کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہاں میرے لئے قبر کھود دو ۔ گورکن کا بیان ہے کہ میں نے قبر کھودی ۔ وہ اس میں اترے اور لیٹے اور کہا کہ اچھی ہے ۔ چند روز کے بعد ان کا انتقال ہوا اور اسی میں دفن ہوئے ۔

تصنیفات: تصنیفات میں ترمذی کی شرح اور بخاری کے ایک حصہ کی شرح کی ہے ۔ بخاری کی شرح کا نام انہوں نے فتح الباری رکھا تھا ۔ یہ شرح مکمل نہیں ہو سکی ' ابن ابی یعلی کا طبقات الحنابلہ کا ذیل لکھا ۔ ایک کتاب اللطائف فی وظائف الایام وعظ کے طریقہ پر ہے ' اور فوائد اور قواعد فقہیہ پر مشتمل ہے ۔ امام نووی کی اربعین کی شرح کی ' جس میں بیالیس حدیثیں تھیں ' اور آٹھ حدیثوں کا اضافہ کیا ۔ یہ جامع العلوم و الحکم شرح خمسین حدیثا من جوامع الکلم کے نام سے ۱۳۴۶ ھ میں مصطفےٰ البابی الحلبی کے مطبع سے شائع ہوئی ہے ۔ حدیث " ماذئبان جائعان ارسلا فی غنم الخ کی مستقل شرح کی ہے ۔ ایک رسالہ فضل علم السلف علی الخلف ہے ۔ یہ تینوں موخرالذکر کتابیں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہیں ۔

فہرست مضامین

حضرت شیخ رح کی نسبت خاصہ کے امین

مختصر حالات۔ حضرت صوفی صاحب مد ظلہ

مخدوم العلماء سراج السا لکین حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب مد ظلہ ۱۹۲۶ء میں ہوشیار پور میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں اسکول کی تعلیم کے علاوہ آپ کو حضرت قاری محمد ابراہیم صاحب رح کے مکتب میں قرآن پاک پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا۔ حضرت قاری صاحب ایک باخدا' درویش صفت اور با عمل عالم دین تھے' جو تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے طالب علموں میں دینی جذبات اور دینی تربیت کے بھی بڑے حریص تھے۔ چھوٹے بچوں کو دوران تعلیم ہی تعلیم الاسلام سے لے کر عربی' اردو اور فارسی کی ابتدائی تعلیم بھی دیتے تھے۔ حضرت قاری صاحب مرحوم نے اپنے اس ہونہار طالب علم کی طرف خصوصی توجہ فرمائی اور اردو کی دینی کتب پڑھنے کے لئے دینا شروع کر دیں۔

علاوہ ازیں آپ کے وطن ہوشیار پور میں اپنے جملہ اکابر کے متعلقین کی ایک بڑی جماعت تھی' جس کی وجہ سے اپنے بزرگوں کی زیارت اور پھر اس کے نتیجہ میں ان سے عقیدت و محبت خوب پیدا ہو گئی۔ چنانچہ اسی دوران آپ نے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمہ اللہ علیہ کے مواعظ پڑھنا شروع کر دئے اور حضرت سے خط و کتابت بھی شروع کر دی اور اپنے وطن کے قریب جالندھر میں آپ کے ایک اجل خلیفہ مدرسہ خیر المدارس کے بانی حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ سے بیعت بھی کر لی (حالانکہ آپ ابھی بالغ بھی نہ ہوئے تھے)۔ بہرحال زرخیز زمین پر اس بہار کی بارش کا ایسا اثر ہوا کہ آپ نے میٹرک پاس کرنے کے بعد مزید دنیاوی تعلیم حاصل کرنے سے انکار کر دیا اور اپنے مستقبل کو مکمل طور پر دین کے لئے وقف کر دینے کا فیصلہ کر لیا' چنانچہ تبلیغی جماعت میں باقاعدہ سرگرمی سے حصہ لینا شروع کر دیا ☆ (ابھی حضرت مولانا محمد الیاسؒ حیات تھے)۔ اسی کے ساتھ دینی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے آپ ندوہ العلماء تشریف لے گئے۔ وہاں پر حضرت مولانا ابو الحسن ندوی نے آپ سے غیر معمولی شفقت و محبت کا برتاؤ فرمایا۔ عربی کی کچھ ابتدائی کتابیں' کچھ ترجمہ قرآن پاک اور ریاض الصالحین

☆ آپ کا جماعت سے تعلق خوب بڑھا۔ بارہا تین چلے دئے حتی کہ آپ کا شمار جماعت کی صف اول کے لوگوں میں ہونے لگا۔ مگر افسوس کہ حضرت شیخ رح کی اخیر حیات میں بعض اکابر تبلیغ کی "ذکر اللہ کی لائن کی مخالفت" (یعنی خانقاہوں کی مخالفت) اور پھر وصال کے بعد تبلیغی نصاب سے فضائل درود شریف کے اخراج کے قضیہ نا مرضیہ کے نتیجہ میں آپ کا اور آپ کے ساتھیوں کا یہ تعلق تعطل کا شکار ہو گیا۔ فالی اللہ المشتکی و ھو المستعان

بھی پڑھائیں، مگر آپ علیل ہو گئے ۔ ویسے دل بھی مزید اعلیٰ دینی ماحول کا خواہشمند تھا، چنانچہ حضرت ندوی مد ظلہ نے اپنے سفارشی رقعہ کے ساتھ آپ کو دارالعلوم دیو بند بھیجا، جس کی وجہ سے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ کی شفقتیں نصیب ہوئیں اور حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ نے تو بہت ہی زیادہ شفقت و محبت کا معاملہ رکھا، مگر عوارض نے دارالعلوم چھوڑنے پر مجبور کر دیا، چنانچہ آپ مظاہرالعلوم سہارنپور تشریف لے آئے ۔ یہاں پر بھی حضرت مولانا علی میاں کی وجہ سے حضرت اقدس شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ علیہ اور حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کی خوب شفقتیں نصیب رہیں، مگر مستقل بیمار رہنے کی وجہ سے سلسلہ تعلیم ترک کرنا پڑا ۔ تاہم حضرت شیخ کے درس حدیث میں اہتمام کے ساتھ حاضری رہتی تھی ۔ علوم ظاہریہ کی تکمیل نہ کر سکنے پر حضرت رائے پوریؒ کے سامنے ایک مرتبہ رو پڑے، تو سن کر فرمایا کہ فکر نہ کر ۔ سن:

" پڑھ پڑھ ہوئے پتھر لکھ لکھ ہوئے چور جس پڑھنے سے مولا ملے وہ پڑھنا کچھ اور "

اس کے بعد اس لائن کی طرف سے ایک طرح کی یکسوئی ہو گئی اور حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ علیہ اور وقت کے دیگر بہت سے اولیاء اللہ کی خدمت میں حاضری رہی ۔ الحمد للہ ان کا حسن ظن اور شفقتیں حاصل ہوئیں جس کو وقت کے بزرگوں نے محسوس کیا ۔ واضح رہے کہ آپ اگرچہ ظاہری علوم کی باقاعدہ تکمیل نہیں کر سکے مگر علماء و مشائخ کی طویل صحبتوں اور اعلیٰ استعداد کی وجہ سے اللہ پاک نے آپ کو باطن کے ساتھ ظاہری علوم کا بھی وافر حصہ عطا فرمایا ہے ۔ " جلاء الا فہام " اور " فضل علم السلف علی الخلف " کے ترجمے اس حقیقت کے شاہد عدل ہیں ۔ علاوہ ازیں حرمین شریفین میں ایک طویل عرصہ سے قیام کی وجہ سے آپ کو مسائل حج پر اچھا خاصا عبور حاصل ہے ۔ علماء و عوام اس ذیل میں آپ سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں اور اپنی مشکلات حل کرتے ہیں ۔

حضرت شیخؒ کے دربار میں حاضری

حضرت مد ظلہ فرماتے ہیں کہ ابتدائی تعلیم کے دوران میں رمضان المبارک میں اپنے قاری (محمد ابراہیم) صاحب کے ساتھ مسجد میں معتکف تھا اور شمائل ترمذی کا ترجمہ اور خصائل نبوی کا مطالعہ کرتا تھا کہ مجھے خواب میں حضرت اقدس شیخ قدس سرہ کی زیارت ہوئی اور ان سے دودھ کا پینا بھی یاد پڑتا ہے ۔ اس خواب کے بعد جبکہ شمائل ترمذی میں " باب مزاح النبی ﷺ " آیا تو ایک حدیث جس میں یا ابا عمیر ما فعل النغیر آتا ہے کی شرح میں حضرتؒ نے تحریر فرمایا:

"بعض علماء نے اس حدیث میں سو سے زائد مسائل اور فوائد بتائے ہیں۔ اس ذات کے قربان جس کے ایک مذاقی فقرہ سے سو سو مسائل حل ہوتے ہوں اور ان علماء کی قبروں کو اللہ پاک سراپا نور بنا دے جنہوں نے اپنے رسول ﷺ کے کلام کی اس قدر خدمت کی کہ ایک ایک حدیث سے کتنے کتنے مسائل استنباط کئے اور ان کو محفوظ رکھا اور پھیلایا۔" انتھی۔

بندہ کے دل پر ان دو سطروں کا غیر معمولی اثر ہوا اور محسوس ہوا کہ یہ بات کسی عاشق صادق کے دل سے نکلی ہے۔ بندہ چونکہ بیعت سلوک کا مقصد محبت و اخلاص ہی کا حصول سمجھتا تھا اس لئے دل میں پختہ ارادہ ہو گیا کہ اس کتاب کے مصنف ہی کو اپنا آقا اور مرشد بنانا ہے اور یہ شوق دل و دماغ پر اس قدر مسلط ہوا کہ اپنا پہلا بیعت ہونا یاد ہی نہ رہا۔" (حضرت شیخ اور ان کے خلفاء: ص ۲۲۷' ج ۲)

بیعت کے بعد آپ صحیح معنوں میں حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ سے وابستہ ہو گئے۔ دوسرے اوقات کے علاوہ ماہ مقدس اپنے شیخ محترم کی خدمت میں گزارتے۔ اصلاح کے اصول اطلاع و اتباع پر عمل کرتے جس کا اثر یہ ہوا کہ تعلق و اعتماد کا یہ رشتہ روز بروز بڑھتا چلا گیا۔ چنانچہ حضرت شیخ نے اپنی آپ بیتی میں کئی ایک مقامات پر موصوف کا ذکر کیا۔ اجازت بیعت و خلافت سے بھی نوازا۔ اسی اعتماد کے نتیجہ میں آپ نے موصوف سے سلوک و احسان کی لائن کے متعدد رسائل لکھوائے' طباعت سے پہلے سماعت فرماتے۔ بعد میں بھی سماعت فرماتے۔ یوں بھی فرماتے کہ صوفی کے رسالے میرے رسالے ہیں۔ ذیل میں ہم حضرت صوفی صاحب کی ایک تحریر نقل کرتے ہیں جس سے یہ حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔ "حضرت کے مدینہ منورہ آنے کے بعد الحمد للہ قیام تو ساتھ ہی رہا اور میں خدام پارٹی میں شامل رہا' اس لئے رمضان کے لئے جہاں حضرت تشریف لے گئے' مجھے بھی ہمرکابی نصیب رہی۔ اس دوران میں جب حضرت کو بعض اپنے سے متعلق دوستوں کے احوال یا ان کے خطوط سناتا تو حضرت فرماتے کہ: "اس کو میری طرف سے یا اپنی طرف سے اجازت لکھ دو۔"

اور بعض کے متعلق فرمایا کہ: "اس کو بیعت کی اجازت دے دو۔"
اس پر جب بندہ شرمندگی کا اظہار کرتا تو حضرت فرماتے کہ:

"بھائی' اب یہ کام تم ہی لوگوں کو کرنا ہے' تم ہی دوستوں سے مجھے اس سلسلہ میں امید ہے۔"

چنانچہ ایک خط ۱۹۸۰ء بقلم مولوی شاہد صاحب از سہارنپور میں ایک صاحب کے متعلق تحریر فرمایا کہ:

" اگر وہ اجازت و خلافت کے اہل ہیں تو میری یا اپنی طرف سے ان کو اجازت دے دو ۔ میرے پیارو! میں تو نبٹ گیا ۔ اب تو تم ہی کرو ۔ اتنا ضرور عرض کروں گا کہ تواضع میں سلسلہ منقطع نہ ہو جائے ۔ کاش! میں کسی قابل ہوتا تو تم لوگوں کی خوشامد نہ کرتا۔"

"........ کے حالات جو تم نے لکھے اللہ تعالیٰ ان کو ترقیات سے نوازے اور سلسلہ کے برکات سے نوازے ۔ میری طرف سے پاپا ان کو اجازت دے دینا یا تم ہی دے دینا۔

اپنے اندر ایک بات جی خوش کرنے کی پا رہاہوں اور مجھے ہمیشہ اس پر ناز رہاکہ بزرگوں کو مجھ سے ہمیشہ تعلق رہا خواہ وہ حسینی ہوں یا اشرفی ۔ حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کا وعدہ تو تمہیں یاد ہوگا ۔ میں اپنا خیال ------ کے متعلق لکھ چکا ہوں ۔ صوفی جی 'اب تو سلسلہ کو چلاؤ ۔"

ذکر و شغل اور تربیت باطنی کی لائن کے خطوط کے جوابات کے متعلق حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ " اس کا جواب تم لکھ دو ۔" حتیٰ کہ اگر میں بیمار ہوتا تو خطوط گھر بھیج دیتے ۔ عام خطوط کے جواب خود لکھ کر ڈاک میں ڈال دیتا لیکن اگر کوئی بشکل مسئلہ یا کیفیت ہوتی 'تو اس کا جواب لکھ کر حضرت کو سنا دیتا ۔ حضرت ہمیشہ تصویب اور خوشی کا اظہار فرماتے اور دعائیں دیتے ۔

اور بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا کہ حضرت نے بندہ سے امتحانا پوچھا کہ " فلاں کے متعلق اجازات کا خیال رہا ۔ ابھی طے نہیں کیا' تمہارا کیا انداز ہے ۔" بندہ ہنس پڑتا کہ حضرت مزاح فرما رہے ہیں ۔ پھر زور سے فرماتے کہ " تکلف نہ کرو کیونکہ تمہارا ان سے جوڑ ہے 'اپنا خیال بتاؤ ۔" کبھی بندہ عرض کرتا کہ کچھ عرصہ اور دیکھ لیا جاوے ۔ فرماتے : " ہاں ' میرا بھی یہی خیال ہے ۔" لیکن بندہ سے استفسار پر جب محسوس ہوتا کہ ارادہ مبارک پختہ ہے تو عرض کرتا کہ حضرت بہت اچھا ہے ۔ انشاء اللہ مبارک ہے ۔ (حضرت شیخ اور ان کے خلفاء :ص ۲۴۴' ج ۲)

عارفین کے محبوب

حضرت شیخ سے تو محبت اور اعتماد کا تعلق واضح ہو چکا ہے ۔ حضرت کی نسبت سے دیگر اکابر بھی آپ کو محبت اور قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے ۔ چنانچہ تقسیم ملک کے بعد جب مرکز نظام الدین میں تین ماہ قیام کے بعد ایک جماعت کے ساتھ آپ کو پاکستان اپنی والدہ

کی وجہ سے روانہ کیا گیا تو حضرت جی مولانا محمد یوسف رح نے ساتھیوں کو آپ کے متعلق فرمایا کہ " اس کا بہت خیال رکھیو۔ یہ سارے ہی بزرگوں کا منظور نظر ہے۔" دینی ضرورت کی بنا پر ایک اور واقعہ بھی عرض ہے۔

رائے ونڈ کے ایک اجتماع میں حضرت جی مولانا محمد یوسف رح سے مجمع کے اژدہام کی وجہ سے مصافحہ کرانے کا یہ انتظام کیا گیا تھا کہ حضرت جی رح اور موجودہ حضرت جی مولانا انعام الحسن صاحب کو ایک کمرے میں بٹھلا کر کھڑکی میں سے مصافحہ کرایا گیا۔ حضرت جی نے کھڑکی کی سلاخوں میں سے دونوں ہاتھ باہر نکال رکھے تھے اور لوگ باری باری حضرت کے ہاتھ کو چھو کر گزر جاتے تھے۔ اسی طرح جب حضرت نے آپ کے دست مبارک چھونا چاہے تو حضرت جی نے فوراً اپنے ہاتھ اندر کھینچ لئے اور فرمایا کہ " ایسے نہیں، دوسری طرف سے اندر آکر ملاقات کرو۔" یہ سن کر حضرت صوفی صاحب کو منتظمین اہتمام سے اندر لے گئے اور حضرت جی نے چارپائی پر بیٹھنے کا حکم فرمایا اور مصافحوں سے فارغ ہو کر باقاعدہ حال احوال پوچھا اور دعائیں دیں۔ انتھی

حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی " سوانح حضرت شیخ " میں تحریر فرماتے ہیں:

" صوفی محمد اقبال ہوشیار پوری ان خوش قسمت افراد میں ہیں جن پر حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ کی نظر خاص رہی اور انہوں نے بھی سعادت اور خدمات کا بڑا حصہ پایا اور اعتماد و اختصاص اور اجازت خاص سے سر فراز ہوئے اور اخیر وقت تک جوار رسول ﷺ اور اپنے شیخ کے دامن عاطفت میں رہے۔ شیخ کے ملفوظات و افادات اور حالات و مبشرات پر ان کے متعدد رسالے چھپ کر شائع ہو چکے ہیں۔ (انتھی)

حضرت شیخ کے وصال کے بعد کئی ایک بزرگوں نے آپ کو اجازت بیعت دی، جن میں حضرت تھانوی رح کے خلیفہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رح اور حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی مد ظلہ اور ایک نقشبندی شیخ حضرت مولانا علی مرتضیٰ صاحب ڈیروی رح ہیں اور اسی طرح شاذلی سلسلے میں ایک عرب شیخ نے بھی اجازت دی ہے۔

امت کا موجودہ تنزل اور حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ

مرشدنا جامع الشریعت والطریقت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ علیہ کو حق جل شانہ نے دوسری صفات کے ساتھ ساتھ خدمت دین کی صحیح مزاج شناسی کا فہم بھی خوب خوب نصیب فرمایا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ دینی طبقات میں اخلاص، حسن نیت، ذکر و فکر، محبت و خشیت کے حصول کے اہتمام سے تغافل پر مغموم رہا کرتے تھے۔ آپ مسلمانوں کے لئے عموماً اور خادمان دین کے لئے خصوصاً یہ چاہتے

تھے کہ وہ حصول اخلاص کی محنت کی طرف متوجہ ہوں (تاکہ دینی خدمات کے خاطر خواہ نتائج نکل سکیں) جس کا معروف و متوارث طریقہ صحبت شیخ اور کثرت ذکر ہے اور اصلاح کا یہ نظام خانقاہی نظام کے نام سے معروف ہے۔ چنانچہ آپ حقیقی خانقاہوں کے قیام کے بارے میں اخیر حیات میں خاصے متفکر تھے۔ آپ نے گوناگوں جسمانی عوارض کے باوجود افریقہ، لندن اور پاکستان کا سفر اس مقدس کام کے لئے فرمایا۔ اسی طرح آپ اپنے خلفاء کو خصوصاً حضرت صوفی صاحب کو اس کام کو چلانے کی وصیت فرماتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا: "صوفی جی، اب کام تم ہی نے کرنا ہے۔ سلسلے کو چلاؤ، تواضع میں آکر کہیں سلسلہ ختم نہ ہو جائے۔"

حضرت شیخ کے وصال کے بعد

حضرت شیخ کی وصیت اور تمنا کے مطابق آپ بھرپور طریقہ سے اس کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ بہی خواہوں سے ملاقاتیں کیں، احباب کے پاس خود چل کر گئے۔ اس ذیل میں مزید رسائل لکھے۔ الغرض کام جمانے اور بڑھانے کی جو مناسب شکل سامنے آئی، اس پر عمل کیا۔ حضرت شیخ کی وفات کے پورے دس سال بعد تک پاکستان کے مختلف شہروں میں رمضان المبارک خانقاہی چِلّہ کے طور پر ذکر و فکر کے ایک خاص ماحول میں حضرت شیخ رحمہ اللہ علیہ کے طرز پر گزارا۔

مبارک اثرات

الحمد للہ! آپ کی مساعی جمیلہ کے بہت مبارک اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اچھے خاصے لوگ اپنے حضرت اکابر کے ذوق و فکر سے آگاہ ہوئے اور دور حاضر کی کج فہمی سے نجات حاصل کی۔ اسی طرح مجالس ذکر کا ایک مبارک سلسلہ شروع ہوا۔ کئی ایک مراکز علم میں بھی مجالس ذکر قائم ہو چکی ہیں۔ بیسیوں مقامات پر مجالس درود شریف قائم ہو چکی ہیں۔ گزشتہ دنوں راقم الحروف نے ملتان کی مختلف مجالس میں پڑھا جانے والا درود شریف شمار کیا تو ماہانہ بیس لاکھ تعداد تھی۔ اس کے بعد مزید بھی مجالس قائم ہو رہی ہیں۔ خانقاہوں کے قیام کا یہ ابتدائی درجہ پورے آداب و برکات کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ ان مجالس میں تصحیح اخلاق کے سلسلے میں اپنے اکابر کا کوئی مفید رسالہ پڑھا جاتا ہے یا زبانی گفتگو کی جاتی ہے۔ فللہ الحمد علیٰ ذلک

ملک کے مختلف حصوں میں سینکڑوں لوگ آپ کے حلقہ ارادت میں داخل ہوئے تو ان میں بیسیوں نے اپنی زندگیوں کا رخ تبدیل کر لیا۔ آپ کے متوسلین نے راولپنڈی، لاہور، کبیر والہ، ملتان اور کراچی میں رمضان المبارک خانقاہی چلہ کے طور پر

گزارنے کا اہتمام شروع کر دیا۔ متعدد حضرات کو آپ نے اجازت بیعت سے بھی نوازا ہے جن میں اہل علم کی بھی ایک تعداد ہے۔ مجازین حضرات پچاس کے قریب ہیں۔ آپ کے رسائل اور مطبوعہ مضامین کی تعداد پینتالیس کے قریب ہے۔

اسی طرح پورے دین پر عمل کا ذوق و فکر اجاگر کرنے کے لئے ایک عمومی سطح کے کام کی داغ بیل آپ نے حضرت مولانا مفتی مختار الدین شاہ صاحب کربوغہ شریف سے ڈلوائی۔ تھوڑے ہی عرصہ میں یہ کام ماشاء اللہ خوب پروان چڑھ گیا۔ آپ کی مساعی جمیلہ کی برکت سے دیگر سلاسل کے بہت سے بندگان خدا نے اپنے اپنے مشائخ سے ربط و تعلق مضبوط کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ طوفانوں اور رکاوٹوں کے باوجود اس قدر کام ہو جانا آپ کی ایک کھلی کرامت ہے اور قبولیت کی نشانی ہے۔

صفات

حق جل شانہ نے آپ کو بہت سی اعلیٰ صفات سے نوازا ہوا ہے، جن میں سے حمیّت و محبت نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ دین متین کی تعبیر و تشریح میں ہلکی سی تحریف پر نکیر کئے بغیر آپ نہیں رہ سکتے۔ آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی سے جو آپ کو لگاؤ ہے، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس ذیل میں آپ نے متعدد رسالے تصنیف فرمائے۔ درود شریف کی چہل حدیث مختصر مقدمہ کے ساتھ "درود و سلام کا مقبول وظیفہ" کے نام سے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ علیہ کی کتاب "نشر الطیب" خاصے اضافوں کے ساتھ "العطور المجموعہ" کے نام سے حال ہی میں بیروت سے عمدہ طباعت و کتابت کے ساتھ بڑی تعداد میں شائع ہوئی ہے، تاکہ امت میں آپ ﷺ کی ذات گرامی سے مقبول محبت بڑھے جو کہ ہر خیر کی جڑ ہے۔ اسی جذبہ محبت و حمیّت کے تحت آپ نے اپنی تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات سے تبلیغی نصاب سے فضائل درود شریف نکالے جانے کے قضیہ نامرضیہ پر سخت احتجاج کیا، چونکہ ان کا یہ اقدام یقیناً درود شریف کی کمی اور پھر محبت کی کمی کا باعث بنا اور یہ کمی انتہائی نقصان دہ ہے۔

فالی اللہ المشتکی والیہ المستعان۔ دعا ہے کہ اللہ پاک آپ کو عافیت کے ساتھ تادیر رکھیں۔ آمین

آپ کی بارگاہ کا ادنیٰ غلام: محمد عابد۔ مدرس، جامعہ خیر المدارس۔ ملتان

۵ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ

تالیفات

حضرت اقدس صوفی محمد اقبال صاحب مہاجر مدنی مدظلہ، چشتی، قادری، نقشبندی، سہروردی، شاذلی

۱- العطور المجموعہ
۲- تنویر الابصار
۳- مقبول وظیفہ
۴- مقبول وسیلہ .... شفاء الاسقام
۵- ربیع القلوب
۶- تقدیم و ترجمہ جلاء الافہام باب رابع عربی / اردو
۷- میاں دو کریم مع
۸- آداب الحرمین
۹- حضرت شیخ کا اتباعِ سنت اور عشقِ رسول ﷺ
۱۰- چند عبرت آموز واقعات
۱۱- محبوب العارفین
۱۲- بہجۃ القلوب
۱۳- حقیقۃ العلم ترجمہ فضل علم السلف علی الخلف
۱۴- مختصر - الحزب الاعظم
۱۵- مجالسِ ذکر
۱۶- محبت کا سودا
۱۷- صقالۃ القلوب
۱۸- اکابر کا تقویٰ
۱۹- اکابر کا احسان و سلوک
۲۰- اُم امراض
۲۱- مقدمہ، ترتیب، ضمیمہ، انوار الصلوٰۃ
۲۲- دنیا میں جنت کی تین کیاریاں
مطبوعہ مضمون سلوک و احسان سنہ ۔۔۔
۲۳- ابتدائی اذکار و اشغال
۲۴- شجرہ نقشبندیہ امدادیہ خلیلیہ مع طریقہ ذکر
۲۵- فیضِ شیخ۔
۲۶- دنیا میں جنت
۲۷- دعوت و تبلیغ میں ذکر کی اہمیت
۲۸- ایک نصیحت آموز اور ترغیبی خط
۲۹- حضرت شیخ کا ایک اہم گرامی نامہ

مذکورہ بالا تین رسائل "ذکر و اعتکاف کی اہمیت" کے نام سے حضرت شیخ رحمہ اللہ نے خود شائع کروائے تھے۔

۳۰- فضائلِ نساء۔
۳۱- فضائلِ لباس
۳۲- وصال کے بعد
۳۳- ایک عظیم فتنہ
۳۴- محبت کے اشارے
۳۵- سہاگ رات،
۳۶- محبت
۳۷- بیعت کے بعد
۳۸- حیاتِ شیخ الاسلام کا ایک ورق / مقدمہ: بیعت کی شرعی حیثیت
۳۹- تحدیثِ بالنعمہ (رسالہ حضرت شیخ کے معمولاتِ رمضان میں مضمون)
۴۰- چند حقائق اضافہ بر رسالہ تنقید و حق تنقید
۴۱- مختصر سوانح حیات (حضرت شیخ اور ان کے خلفاء ج ۲ ص ۲۴۳-۲۰۶) ۲۴۷-۲
۴۲- الطریق لمن فقد الرفیق
۴۳- العمدہ شرح الزبدہ
۴۴- امام وقت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کا طریقہ سلوک - مطبوعہ ۔۔۔

[illegible]